اور آیاتِ قرآنی سے اس کے ثبوت پیش کئے ہیں، لیکن اسلامی شریعت کے رو سے شخصی طور پر انہی انبیار کی تصدیق کیجائے گی جن کے نام قرآن میں ہمیں بتائے گئے ہیں، نیز مترجم نے قدیم آریوں کے مذہب پر بحث کرکے دکھایا ہو کہ ایک خدا کا تصور ان کے ذہن میں موجود رہتا تھا" لیکن ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر انھیں موحد نہیں سمجھا جاسکتا، بھگوت گیتا سے دکھایا ہے کہ اس وقت تک ہندوؤں میں جات پات کی تفریق نہ تھی، اس کے بعد بھگوت گیتا کے زمانۂ تالیف وغیرہ پر بحث کرکے اسکی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا، اور فلسفہ ویدانت کی مطابقت تصوف اسلام سے دکھائی چاہی ہے، پھر گیتا کی مختلف اخلاقی و معاشرتی تلقین "جنگ" و "ایذا رسانی" وغیرہ پر بحث کیگئی ہے، اور آخر میں "عشق حقیقی" کا مرتبہ دکھایا ہے، یہ مقدمہ متانت، سنجیدگی، بے تعصبی، اور ایمانداری کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لئے اگرچہ ہمیں اس کے بعض نظریوں سے اتفاق نہ ہو، تاہم وہ ہمارے نزدیک لائق ستائش ہے، اس مختصر کتاب کا روشن پہلو یہ بھی ہے، کہ اس کے ترجمہ کی تصحیح ایک پنڈت صاحب نے کی، پھر ڈاکٹر بھگوان داس نے اس کا ایک ایک لفظ سنسکرت سے ملا کر پڑھا، اور اپنے مقدمہ میں ترجمہ کی صحت کی تصدیق اور مقدمہ کے نظریوں اور بیانوں سے اپنا کامل اتفاق ظاہر کیا،

تبصرۂ الملیہ، از جناب مرزا اسد علی بیگ صاحب برلاسی، ہیڈماسٹر مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ، حجم ۴۴ صفحے، قیمت ۴ر

اس رسالہ میں مختلف لسانی، جغرافی، تمدنی، اور معاشرتی شہادتوں سے یہ دکھانے کی کوشش کیگئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم ایل سے تھے، جس سے مغل و ترک اقوام ہیں،

سودیشی اردو، از مولوی قاضی عبد الصمد صاحب، ۳۰ صفحے، قیمت ۴ر پتہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب مکان مولوی فیض الدین وکیل محلہ عابد شاہ، حیدرآباد دکن،

یہ رسالہ سید انشاء کی کتاب داستان رانی کیتکی کے طرز پر لکھا گیا ہے یعنی اسمیں اردو فارسی کا کوئی لفظ آنے نہیں پایا ہے، مضامین میں زیادہ حصہ چند چند سطروں کی کہانیوں پر مشتمل ہے، اسی طرح کسی درخت پھل وغیرہ پر چند چند سطریں اور چھوٹے چھوٹے خطوط اور لطیفے درج ہیں، بچے اسے شوق سے پڑھینگے اور ان کیلئے مفید ہوگا،

جلد ۳۶ | ماہ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ) کو مصر بلکہ دنیاے اسلام کے سب سے بڑے عالم علامہ سید رشید رضا صاحب المنار نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، یہ مفتی عبدہ مرحوم کے سب سے ممتاز شاگرد، اور سید جمال الدین افغانی کے فیوض و برکات سے بیک واسطہ مستفید تھے، شام وطن تھا، لیکن سلطان عبد الحمید خان کی دار و گیر سے گھبرا کر مصر چلے آئے تھے، اور آخر یہیں کے ہو کر رہ گئے، عمر اس وقت ستر سال سے کم نہ ہوگی پھر بھی ان کی جسمانی قوت اور کام کی طاقت بہت اچھی تھی، اسلام کے اصلاحی مسائل انکی تصانیف کا خاص موضوع تھا، المنار جس کی اشاعت دنیاے اسلام کے گوشہ گوشہ میں تھی، ان کی اڈیٹری میں نکلتا تھا، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ پورا رسالہ انھیں کے قلم کا مرہون ہوتا تھا، اُن کی سب سے اہم تصنیف تفسیر المنار تھی جو افسوس کہ انکی وفات سے ناتمام رہگئی، یہ تفسیر زمانۂ حال کی ضرورتوں کو سامنے رکھکر لکھ رہے تھے، وہ عقیدہ میں سلف کے پیرو، اور فقہ میں غیر مقلد تھے، ان کی انشا پردازی قدیم و جدید دونوں خوبیوں کو لئے ہوئے تھی، فقہ تفسیر اور حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان کی آخری تصنیف "الوحی المحمدیؐ" ہے جس کا ہندوستانی ترجمہ کلکتہ سے شائع ہو چکا ہے، قدیم و جدید خیالات کی تطبیق ان کی ہر تحریر میں ہوتی تھی، اور وہ اسی کو اس زمانہ میں اسلام کے لئے مفید خدمت سمجھتے تھے،

اس زمانہ میں جب ایسے روشن خیال و روشن ضمیر علماء جو ایک طرف متقی و پرہیزگار اور دوسری طرف زمانۂ حال کی ضرورتوں سے باخبر ہوں، انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، سید رشید رضا کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا، آج اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے، وہ دنیاے اسلام کے کاشانہ میں ہدایت کا چراغ تھے، افسوس کہ یہ چراغ اب ہمیشہ کے لئے بجھ گیا، اور اس سے زیادہ افسوس یہ کہ اس چراغ کے گل ہونے سے المنار کی وہ روشنی بھی بجھ جائے گی جس کی کرنیں ہر ماہ تمام دنیا میں پھیلتی تھیں، ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا،

مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی مرحوم نے ۱۹۰۹ء میں امہات الامۃ کے نام ازواجِ مطہرات کے حال اور عیسائیوں کے جواب میں ایک کتاب لکھی تھی، کتاب تو اسلام کے جوشِ حمایت میں لکھی گئی تھی، مگر ایسی زبان کہیں کہیں وہ برتی گئی تھی جو ان مقدس ہستیوں کے شایانِ شان نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں اسکے خلاف سخت ہیجان برپا ہوا، ۱۹۱۰ء میں ندوہ کا اجلاس دہلی میں ہوا، اور وہاں اس صورتِ حال پر غور کیا گیا، مصنف نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم کی وساطت سے یہ معاملہ طے ہوا کہ کتابیں نذرِ آتش کر دی جائیں، چنانچہ اسی پر عمل ہوا، کتاب جل گئی تو مسلمانوں کو بھی سکون ہوا، اور خود مصنف نے بھی سانس لی،

اس کتاب کے جلائے جانے کا واقعہ اس عہد کے مشہور و ممتاز، متین و سنجیدہ، مستند و معتبر عینی شاہد (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی) کی زبانی سنئے،

"حیات النذیر کے مقدمہ کے متعلق ایک واقعہ کا اظہار ضروری ہے، مولوی نذیر احمد خاں صاحب مرحوم کے رسالہ امہات الامۃ جلائے جانے کے واقعہ کو مولوی (عبد الحق) صاحب نے بڑی دلسوزی سے بیان کیا ہے، ایسا کہ دلسوزی نے اس میں کباب کا چٹ پٹا پن پیدا کر دیا ہے، واجب الاظہار واقعہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے ارکان و شرکاء اس کے جلانے پر آخر تک آمادہ نہ تھے، خود مولوی (نذیر احمد) صاحب مرحوم کی تحریک تھی، اس طرف کے تامل نے تحریک کو اصرار سے بدل دیا اور اصرار نے شدت اختیار کی، بلکہ دھمکی کی صورت جیسا کہ مولوی صاحب

[1] اس واقعہ کے اندرونی شاہد جناب حکیم مقصود علی خاں صاحب جو اس زمانہ میں حکیم صاحب مرحوم کے گویا سکریٹری تھے، حیدرآباد دکن میں موجود ہیں،

مرحوم کی طرف سے ایسے موقع پر ہوا کرتی تھی، مسیح الملک مرحوم نے (جو واسطہ تھے) بالآخر کہا کہ میں نے شیر کو کٹہرے میں بند کر دیا ہے، آپ نکالتے ہیں، اس پر جلسہ کر کے غور کیا گیا اور مؤلف مرحوم کی رائے کی تائید ہوئی، چنانچہ رسالے جلائے گئے، مٹی کا تیل لا کر دو بجے رات کو جس نے رسالوں پر ڈالا تھا وہ میں ہی تھا، اتفاق یہ کہ جلائے جانے کے بعد آندھی نے خاکستر اڑا دی، بارش نے جگہ صاف کر دی، اس طرح "ہلاس" سونگھنے کا موقع کسی کو نہ مل سکا" (مقدمہ "مقدمات عبدالحق")

اب تقریباً پچیس برس کے بعد اُن کے پوتے (شاہد احمد صاحب بی اے) نے ایک طرح اپنے دادا کے منشا کے خلاف اس کا دوسرا اڈیشن بعینہ شائع کیا ہے، اب پھر مسلمانوں میں وہی ہنگامہ برپا ہے، ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب اڈیٹر صدق نے اپنے پرچہ میں اس کتاب کے تمام قابل اعتراض فقرے یکجا کر دیئے ہیں، اور پبلشر سے خواہش کی ہے کہ وہ اس کتاب سے اتنے فقروں کو نکال کر کتاب کو دوبارہ چھاپیں، تاکہ ایک طرف اسلام کی سبکی، اور مسلمانوں کی دل آزاری نہ ہو، اور دوسری طرف ڈپٹی صاحب کی زبان و ادب کے قدرشناس اُنکی آخری تصنیف کے لطف سے بھی محروم نہ رہیں، امید ہے کہ وہ اسکو قبول کر کے اسلام اور مسلمانوں کی لاج رکھینگے اور اپنے مرحوم دادا کی روح کو بھی خوش کرینگے

آثار المدینۃ المنورہ کے نام سے مدینہ منورہ کے موجودہ تاریخی و جغرافی آثار اور یادگاروں پر عبدالقدوس الانصاری نے عربی میں ایک عمدہ کتاب لکھی ہے جو شاید اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بھی نہایت اعلیٰ ہے، کتاب میں بعض عمارتوں کے فوٹو بھی ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب نہایت دلچسپ اور مسلمانوں کے قدر کے لائق ہے، مدینہ منورہ میں یہ کتاب مکتبہ علمیہ سے اور ہندوستان میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مہتمم صاحب سے ملیگی قیمت [illegible]

مقالات

سسلی میں مسلمانوں کا تمدن،

از سید ریاست علی ندوی،

(۲)

معیشت

اب ہمیں تھوڑی دیر کے لئے صقلیہ کے عہد اسلامی کی معیشت پر گفتگو کرنی ہے، کہ معیشت تمدن کا ایک جزو ہے، اور انسانی زندگی کا بڑا حصہ مادی ضروریات ہی کی فراہمی میں صرف ہوتا ہے،

انسان کی معاشی زندگی میں سب سے اہم احتیاج قدرت کے دین میں ہوتی ہے، اس لئے جو قدرتی سامان ملک میں موجود ہوں، معیشت میں سب سے پہلا مدار انہی پر ہوتا ہے،

قدرتی ذخائر و اشیاء

ملک کے قدرتی ذخائر و اشیاء میں آب وہوا، کوہ و دشت، دریا، معادن، حیوانات و نباتات وغیرہ ہیں،

آب وہوا صقلیہ کی آب وہوا، بحر روم کی آب وہوا کے مانند ہے، گرمی سردی کے درجوں میں فرق ہے، بارش بالعموم جاڑوں میں ہوتی ہے، شمالی ساحل پر باد سموم چلتی ہے، جو مضرت رساں اور خشک کرنے والی ہوتی ہے[1]

شاید ابن حوقل ایسے ہی موسم میں صقلیہ پہنچا ہو، وہ یہاں کی آب وہوا کا سخت شاکی ہے، اس کے خیال میں اسی قدر خشکی پیدا ہوتی ہے، کہ یہاں کے باشندوں کی دماغی حالت پر اثر پڑتا ہے، اور اخلاق و عادات متاثر ہوتے ہیں[2]

---

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵ [2] تاریخ جزیرۂ صقلیہ میں حین دخلہا المسلمون در اماری ص ۱۷۰

یہ باد سموم عہد اسلامی میں بھی چلتی تھی، اور کسی سال مضر اثرات دکھاتی تھی،

کوہستانی سلسلے یہاں پہاڑوں کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے، خصوصاً دو وسیع سلسلے شمال مشرق میں ہیں، اور یوں تو پورے جزیرے میں کوہستانی علاقے ہیں[1]، ادریسی اور یاقوت نے تقریباً ۲۰ پہاڑوں کے نام گنائے ہیں[2]، عرب مورخین اور جغرافیہ نویسوں کو کوہ اتنا سے بڑی دلچسپی رہی ہے، اس کے متعلق مختلف دلچسپ روایتیں لکھی ہیں[3]، اسلامی عہد میں اس کی آتش فشانی جاری تھی، مقدسی (۳۷۶ھ) لکھتا ہے، ہر دس برس میں ایک مرتبہ چار مہینوں تک آتش فشانی ہوتی ہے[4]، ابو علی حسن بن یحییٰ کا بیان ہے: آج کل اس کی آتش فشانی جاری ہے[5]، ابن جبیر نے بھی دھواں نکلتے دیکھا ہے[6]، یہاں کے پہاڑوں کی بلندی کچھ زیادہ نہیں، ہر طرف سے چڑھ سکتے تھے، سطح بھی اس قدر ہموار اور ڈھالی کہ عمدہ زراعت ہو سکتی تھی، پہاڑوں سے چشمے جاری تھے، ابن جبیر نے صرف ایک پہاڑ میں چار سو چشمے دیکھے[7]،

دشت و جنگل عہد اسلامی کے آغاز میں بکثرت جنگل، یہاں کے پہاڑی سلسلوں، پلیٹو، اور ہموار زمین میں لگے ہوئے تھے، جنمیں غیر بار آور درختوں کی کثرت تھی[8]،

دریا پہاڑوں کی کثرت کی وجہ سے دریا اور نہریں بکثرت تھیں، یہ دریا بعض بحر روم سے جا ملے تھے، اور بعض ایک دوسرے میں مل گئے تھے، ادریسی کے استقصاء سے موخر الذکر قسم کے دریاؤں کی تعداد ۲۳ نکلتی ہے، جو اپنے علاقے کو سیراب کرتے تھے، اس نے ہر ایک کے سرچشمہ، دہانہ اور مسافت کو لکھا ہے، بحر روم میں ملنے والے دریا ۱۳ تھے، ان سے بحر روم کی بڑی کشتیاں اندرون ملک میں پہنچ سکتی تھیں[9]،

[1] انسائیکلوپیڈیا ج ۵ صفحہ ۲، [2] زمان سسلی صفحہ ۱ و انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ج ۲۵ صفحہ ۲۱ طبع یازدہم [3] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۴۳، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات دراماری ص ۳۹، تحفۃ الالباب ونخبۃ الاعجاب دراماری ص ۴۷، کتاب الاشارات فی معرفۃ الزیارات دراماری ص ۵۰، [4] احسن التقاسیم ص ۲۴۱، [5] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵، [6] رحلہ ص ۳۲۲، [7] نزہۃ المشتاق ص ۳۴، رحلہ ابن جبیر ص ۳۳۵، [8] معجم البلدان ج ۵ صفحہ ۳۷۵ [9] نزہۃ المشتاق ص ۲۳ تا ۵۲ و کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳، ۸۶،

معادن معادن میں سونے، چاندی، پارہ، سیسے، اور لوہے کی کانوں کا پتہ چلتا ہے، کوہ آتش فشاں سے پھٹکری، معدنی نمک، سرمہ، نوسادر، گندھک اور نفت حاصل ہوتا تھا، قیمتی پتھروں میں سنگ یشب، اور مرمر قابل ذکر ہیں، مونگا یہاں کے ساحلی سمندر میں موجود تھا[1]،

حیوانات و نباتات پالو جانوروں میں گائے، بکری، مرغابیاں، مینڈھے، خچر، گدھے، گھوڑے تھے، وحشی جانور اگرچہ موجود تھے، مگر عرب مورخین استعجاب سے لکھتے ہیں، کہ شیر، چیتا، بھیڑیے، سانپ، بچھو اور بھیانک کیڑے بھی موجود نہیں ہیں، مچھلیوں کے لئے یہ جزیرہ مشہور تھا، لنبیاذہ، اور طرانش کے ساحل پر غیر معمولی قد کی مچھلیاں ہوتی تھیں، نباتات کے ہر قسم کے غلوں، اور میووں کے علاوہ بعض قیمتی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی تھیں[2]،

پیدائش دولت

ان قدرتی ذخائر سے مسلمانوں نے پیدائش دولت کے مواقع بہم پہنچائے، اور ان کی کوششیں قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھا کر ملک میں زراعت، صنعت اور حرفت کو ترقی دینے میں ظاہر ہوئیں،

زراعت یہاں کی زرعی کوششوں میں ان قدرتی ذخائر کے اثرات دو شکلوں میں ظاہر ہوتے، دریاؤں اور نہروں کی روانی، چراگاہوں کی وسعت، اور ملک کی نباتی نشو و نما کی عمدہ استعداد سے زراعت کے لئے عمدہ پہلو نکلتے، اور جنگلوں اور پہاڑوں کی کثرت، کوہ اتنا کی آتش فشانی اور باد سموم کے جھونکوں سے زراعت کو نقصانات پہنچتے تھے، مسلمانوں نے ان کے افادی پہلوؤں سے استفادہ کیا، اور ضرر رساں پہلوؤں اور موانع کو دور کرنے کی کوشش کی، اور زراعت کی ترقی کے سامان بہم پہنچائے،

[1] آثار البلاد قزوینی ۱۴۳، معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۴، ۳۷۵، نخبۃ الدہر دراماری ص ۱۴۶، کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ۵۹، جغرافیہ زہری دراماری ص ۱۶۰، [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵، آثار البلاد قزوینی ص ۱۴۳، المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵ خریدۃ العجائب ابن وردی، دراماری، ص ۱۵۰، نزہۃ المشتاق ادریسی ذکر شہر لنبیاذہ و طرانش،

چنانچہ غیر آباد قطعوں کو آباد کر کے بنجر زمینوں کو آباد کیا، کوہستانی علاقہ کی قابلِ کاشت زمینوں میں کاشت کی، پہاڑ کی ہموار اور ڈھلوانی سطح کو قابلِ زراعت بنایا، اور باغ لگائے، مثلاً اصطخری لکھتا ہے :-

"اور کوہ قلال تو وہ ویران پہاڑ تھا، اس میں چشمے اور زمین موجود تھی، چنانچہ مسلمانوں کا ایک گروہ پہنچا، اور اس کو آباد کر لیا"[1]

اسی طرح ابن جبیر کہتا ہے :-

"یہاں کے تمام پہاڑ بار آور باغ ہیں"[2]

لیکن کوہ اٹنا کی آتش فشانی کا تدارک قدرتِ انسانی میں نہ تھا، ابو علی حسن بن یحییٰ کا بیان ہے "آجکل اس کی آتش فشانی جاری ہے، جس کی وجہ سے اس کے مضافات میں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی"[3] اسی طرح کبھی دریاؤں میں سیلاب آجاتا، اور ان کے ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے علاقہ کا علاقہ تہِ آب ہو جاتا، کبھی بادِ سموم کے جھونکوں سے پوری فصل برباد ہو جاتی، باغوں کے پھل گر جاتے، اور کبھی سیاسی انقلابات سے بھی ایسا قحط پڑ جاتا، کہ لوگ اپنے بچوں تک کو بھون کر کھا جاتے، ۴۲۷ھ میں جب فاطمیوں کے خلاف بغاوت تھی، اسی قسم کی نوبت پہنچی تھی[4]

لیکن ان آفاتِ ارضی و سماوی اور اتفاقی حادثات کو الگ کر دینے کے بعد مجموعی حیثیت سے مسلمانوں نے یہاں کی زراعت کو حیرت انگیز ترقی دی، یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں اس کی سرسبزی و شادابی ایسی نمایاں تھی کہ اکثر جغرافیہ نویسوں نے اس کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے، مثلاً ابن حوقل لکھتا ہے، "یہاں پہاڑ اور قلعے زیادہ ہیں، تمام زمین مزروعہ ہے"[5] اصطخری لکھتا ہے، "صقلیہ میں سرسبزی و شادابی، وسعتِ رزق و زراعت، اور مویشی وغیرہ اس قدر زیادہ ہیں، کہ اس کو تمام ساحلی اسلامی ممالک پر تقدم و فضیلت حاصل ہے"[6]

[1] کتاب المسالک و الممالک اصطخری ص ۷۰، [2] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۴، [3] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۵، [4] تاریخ جزیرہ صقلیہ من حین دخلها المسلمون در اماری ص ۱۱۰، ۱۰۳، [5] کتاب المسالک الممالک ص ۸۰، [6] ایضاً ص ۷۰،

ابن جبیر بلرم کے ذکر میں لکھتا ہے، "یہ شہر سرسبزی اور وسعتِ رزق میں اپنی انتہا پر ہے، بلکہ ایک سرے سے پورا جزیرہ اپنی سرسبزی و شادابی اور وسعتِ رزق میں حیرت انگیز ممالک میں ہے"[1] اور ادریسی نے تو یہاں کے چپہ چپہ کا ذکر کیا ہے، اس کو استقصا سے دیکھئے، ایسے کم مقامات نظر آئیں گے، جہاں کی زراعت اچھی نہ بتائی ہو، کہیں لکھتا ہے، "ومزارع نامية وجنات كثيرة" یہاں بڑھنے والی کھیتیاں اور بکثرت باغ ہیں، کہیں صرف یہ ہے، "ولهم اجنة كثيرة" اور ان کے بکثرت باغات ہیں، کسی جگہ ہے، "بها مياه جارية عليها مزارع" یہاں رواں پانی ہے، اور اس کے ساحل پر زراعت ہوتی ہے،

جاڑے اور گرمی دونوں موسموں میں زراعت ہوتی تھی[2] فصلی چیزوں میں غلے، میوے اور ترکاریاں تھیں، غلوں میں گیہوں، چنا، مٹر وغیرہ، ترکاریوں میں کدو، بیگن، ککڑی اور پیاز وغیرہ خصوصاً بیگن اور پیاز کی کاشت کا یہاں مخصوص طریقہ رائج تھا، ان کو ابن العوام اشبیلی نے تفصیل سے درج کیا ہے اور تحسین کی ہے، زعفران بھی یہاں کی پیداوار میں ہے، یہاں کی خبازی بھی جو خبازی صقلی کہلاتی ہے لائق ذکر ہے، ابن العوام نے اس کی کاشت کا مکمل طریقہ بھی لکھا ہے[3] خشک و تر میووں میں سیب، انگور، اخروٹ، چلغوزے، ناشپاتی، انجیر، نارنگی، لیموں، زیتون، بادام، شفتالو، ناریل، کھجور وغیرہ ہیں، لکڑیوں میں شاہ بلوط اور صنوبر وغیرہ کی لکڑیوں کی پرداخت ہوتی تھی، خوشبودار و خوشنما درختوں اور پھولوں میں گلاب، بنفشہ، لندی، سرو اور اسی طرح کے چند اور نام ہیں جن سے ہم مانوس نہیں، ان کا اجمالی ذکر معجم البلدان (ذکر صقلیہ) میں اور مفصل تذکرہ اور پیداوار کے مقاموں کی تعیین ادریسی نے نزہۃ المشتاق میں کی ہے،

مسلمان یہاں کی ملکی پیداوار کو ترقی دینے کے علاوہ غیر ممالک سے زرعی چیزیں لائے، مثلاً کپاس کے درخت، شام سے آئے، روئی کا پودا سرزمین یورپ میں پہلی مرتبہ صقلیہ اور اندلس کے ذریعہ پہنچا،

[1] رحلہ ابن جبیر، [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۳، [3] کتاب الفلاحت در اماری ص ۶۴۵ [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۳،

ابن سعید ابو عبداللہ محمد بن ابوبکر زہری، ادریسی اور ابن العوام اشبیلی نے تذکرہ کیا ہے، اور اس کی کاشت میں اہل صقلیہ کے بعض اصول بیان کئے ہیں، نیشکر کی کاشت عربوں نے اہل چین سے سیکھی، افریقیہ میں پہلے طرابلس الغرب اور وہاں سے صقلیہ لائے، اسی طرح غیر ممالک کی حسب ذیل زرعی چیزیں مسلمانوں کے ذریعہ صقلیہ میں داخل ہوئیں، لیموں ترش و شیریں، خربوزہ، شفتالو اور طبی جڑی بوٹیاں وغیرہ[2]،

صنعت و حرفت

صنعت و حرفت کی ترقی کا مدار اس عہد میں رسل و رسائل اور بار برداری کے وسیع نظام نہ ہونے کے باعث ملک کے قدرتی ذخائر و خام پیداوار ہی پر تھا، مسلمانوں نے یہاں کے معدنوں، پہاڑوں، جنگلوں، دریاؤں، اور سمندر سے انتفاع کیا، معدنیات کے انتفاع سے کان کنی اور آہنگری کے پیشوں کا رواج تھا، چاندی، لوہا، تانبا گندھک اور نمک نکالتے تھے، پہاڑوں سے سنگتراشی اور جنگلوں سے نجاری کے پیشے قائم تھے، ان صنعتوں اور مصنوعات کا ذکر ادریسی وغیرہ نے کیا ہے، نباتی اشیا میں قابل ذکر یہاں کی کاغذسازی ہے، ایک قسم کی گھانس بربیرے کاغذ بناتے تھے، ابن حوقل کا بیان ہے، اسی گھانس سے مصر میں بھی کاغذ بناتے ہیں، اب تک مصری کاغذ سے بہتر کوئی دوسرا کاغذ دیکھنے میں نہیں آیا تھا، یہاں بھی اسی نمونہ کا کاغذ تیار ہوتا ہے[3]؛ ابوالفداء نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے[4]، مختلف نباتات اور پھل پھول سے دہنیات و عطریات کی کشید ہوتی تھی[5]، صقلیہ کے شاداب انگور مشہور تھے، مسینا میں شراب کی کشید ہوتی تھی[6]، انگور کے شیرے سے فالودہ کی قسم کا ایک قوام مصنب تیار کرتے تھے، یہ صقلیہ ہی کی خاص صنعت تھی، اس کے تیار کرنے کا نسخہ اور اجزاء ابن العوام نے بیان کئے ہیں، آخر میں لکھتا ہے

[1] کتاب الجغرافیہ زہری در اماری ص ۱۵۹، کتاب الفلاحہ اشبیلی در اماری ص ۵۴، [2] نزہتہ المشتاق ادریسی ص ۳۵، تاریخ الزراعۃ فی بلاد العالم العربی در المجمع العربی دمشق ج ۷، ص ۱۲ وغیرہ، [3] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۵۰، [4] تقویم البلدان، [5] کتاب العدی ابن سعید در اماری ص ۱۳۰ و جغرافیہ ابوبکر زہری در اماری، [6] تقویم البلدان ص ۱۹۳،

"صقلیہ میں اسی طرح تیار کیا جاتا ہے، اور اس کا یہی صحیح نسخہ ہے، ابن بسال کا بیان ہے، کہ اس قسم کے قوموں میں اس سے بہتر قوام میں نے دیکھا[1]"

عربوں کی اشیائے خوردنی میں ایک قسم کا حلوا یا مٹھائی اطریہ تھا، یہ بلرم میں تیار کیا جاتا تھا[2]،

گھانس کی عمدہ چٹائیاں بھی بنی جاتی تھیں، ابن جبیر کہتا ہے "اس سے عمدہ بنی ہوئی چٹائی دیکھنے میں نہیں آئی[3]"، دریا اور سمندر سے ماہی گیری و صدف ریزی کو ترقی ہوئی[4]، ابن الوردی لکھتا ہے "اس کے سمندر کے ساحل پر مونگا نکالا جاتا ہے، جو گویا سمندر کے ساحلی کنارے پر زمین کی طرح اگتا ہے[5]"،

ریشم کے کیڑوں کی پرورش انجیر کے درختوں پر کرتے تھے، یہ طریقہ مسلمانوں نے اندلس میں رائج کیا، وہاں سے صقلیہ لائے، ان کیڑوں اور روئی کی پیداوار سے پارچہ بافی کو ترقی ہوئی، مسلمانان صقلیہ کا یہ پیشہ درجہ کمال پر تھا، ابن حوقل نیلیزہ کے کپڑوں کے متعلق لکھتا ہے "میں نے تمام اقطار عالم میں اس کپڑے کے مانند کوئی کپڑا نہیں دیکھا، اور نہ ایسے کاریگر تمام روے زمین پر[6]" اسی طرح مقدسی نے یہاں کے ایک قسم کے کپڑے کا تذکرہ کیا ہے، جو ایک دن میں کئی رنگ بدلتا تھا[7]، یورپین مورخین کو اعتراف ہے، کہ کپڑے بننے کا فن یورپ نے صقلیہ سے سیکھا[8]، اسی طرح کہتے ہیں، "کپڑے رنگنے کا فن یورپ نے صقلیہ سے سیکھا"، فن رنگسازی پر ایک صقلی اہل علم نے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جو ٹیونس کے کتب خانہ میں موجود ہے،

فن تعمیر

فن تعمیر اگرچہ فنون جمیلہ کی ایک شاخ ہے، تاہم صنعت کے لحاظ سے یہاں بھی اس کا تذکرہ ناموزوں نہ ہوگا، تعمیر کے لئے جن مسالوں کی عموماً ضرورت پڑتی ہے، وہ ہر جگہ کم و بیش پائے جاتے ہیں، اس لئے عہد قدیم سے اکثر متمدن اقوام اپنا کوئی نہ کوئی طرز رکھتی تھیں، جن میں سے تعمیر کے مختلف فارسی، مصری، یونانی

[1] کتاب الفلاحہ در اماری ص ۵۴، [2] نزہتہ المشتاق [3] رحلہ، [4] نزہتہ المشتاق ص ۲۶، [5] فریدۃ العجائب ص ۱۸۵ در اماری، [6] المسالک والممالک در اماری ص ۱۱، [7] احسن التقاسیم ص ۲۴۰، [8] تاریخ عرب سدیو [9] تمدن عرب لیبان ص ۲۸۲،

اور رومی طرز وغیرہ عہد اسلامی کے آغاز میں بھی موجود تھے، مسلمانوں نے ان میں اپنی ذہنی استعداد سے اضافے کئے، جن سے ایک مخصوص اسلامی طرز تعمیر کی بنا پڑی،

مسلمانوں کے داخلۂ صقلیہ کے وقت تک اسلامی طرز تعمیر کی بنا پڑ چکی تھی، وہ صقلیہ میں مشرقی طرز لے ہوئے اسلامی طرز کو اپنے ساتھ لائے، اور یہاں یونانی، رومی اور بیزنطی طرزوں کے مشاہدہ کا موقع ملا، اور اپنی استعداد سے مشرقی و مغربی طرزوں میں آمیزش کی، اور ایک مستقل طرز کے بانی بنے، جس کو لیبان صقلیہ کا شرقی عربی طرز کہتے ہیں[1]

صقلیہ کے اسلامی طرز کے چند خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً مسلمانوں نے عمارتوں میں سب سے پہلی مرتبہ اسی صقلیہ میں اینٹ کے بجائے پتھر استعمال کئے، جس کو انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے مقالۂ تاریخ فن تعمیر میں اسلامی فن تعمیر کی تفصیل میں بیان کیا گیا ہے[2]

دوسری خصوصیت ستونی طرز (COLUMM) کو صقلیہ میں معراج کمال پر پہنچانا ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے،

"یونانیوں نے ستونوں کی ایجاد کی، رومیوں نے ترقی دی، مسلمانوں نے ان پر نوکدار محرابیں بنائیں، اور صقلیہ کے مسلمانوں نے انہی عناصر سے ایک بلند و حسین طرز ایجاد کیا، جو مختلف حیثیات سے پرشوکت و شان، سادہ اور حسین و جمیل تھا"[3]

اسی طرح آرائشی طاقچوں کا استعمال یہاں دسویں، گیارہویں صدی عیسوی میں پایا جاتا ہے، اسلامی عہد میں دیواروں پر مختلف نقش و نگار بناتے، خوبصورت مصنوعی بیلیں چڑھائی جاتیں، اور خط کوفی و طغریٰ میں آیات قرآنی لکھی جاتیں[4]،

[1] تمدن عرب ص ۵۰۱، [2] انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ج ۲ ص ۴۲۳ طبع یازدہم، [3] ،، ج ۲ ص ۵۵ طبع یازدہم، [4] رحلہ ابن جبیر، تمدن عرب ص ۴۰۴،

سسلی میں جب تک مسلمان موجود رہے، اسلامی طرز تعمیر اور مسلمان معماروں کو مقبولیت حاصل رہی، نارمن خود کسی تمدن کے حامل نہ تھے، وہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں انگلستان اور سسلی دونوں جگہ آئے، انگلستان میں تو انہیں اپنے اس طرز کو رواج دینے کا موقع ملا جسے انھوں نے لمبارڈ اور فرانسیسیوں سے حاصل کر لیا تھا، مگر صقلیہ میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے بقول انھیں کسی قسم کے اضافہ و ترمیم کی ہمت نہیں ہوئی، حالانکہ انگلستان اور سسلی کے باہم تعلقات موجود تھے، اور وہ یہاں انگلستان کے جدید نارمن طرز کو رواج دے سکتے تھے، لیکن یہاں انھوں نے جتنی عمارتیں بنوائیں، وہ سب مسلمان معماروں اور مہندسین کے ہاتھوں تعمیر ہوئیں، چنانچہ بلرمو، مونریل، سیفولو، اور مسینا کے شاہی محل اور گرجے خالص اسلامی طرز کے ہیں،

صقلیہ میں عہد اسلامی کی مشہور عمارتیں قصر زیزہ، قوبنۃ، قصر سعد، و جعفر اور چند مساجد بلرم و ترمہ وغیرہ ہیں، اور نارمن عہد کے اسلامی طرز کی عمارتوں میں قصر ابنغی و کنیسۂ انطاکی وغیرہ معروف ہیں،

قصر زیزہ، بلرم کا مشہور قصر تھا، یورپ کے مورخین اس کا بالعموم اسی نام کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں[1] لیکن عربی ماخذوں میں اس نام کا کوئی قصر مذکور نہیں، لسان الدین ابن الخطیب نے ایک قصر عزیز کا نام لیا ہے، خیال ہوتا ہے زیزہ اسی کا بگڑا ہوا تلفظ ہے، قصر عزیز خلیفہ فاطمی العزیز کی طرف منسوب ہے لسان الدین ابن الخطیب نے ۳۷۲ھ کے ذیل میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور العزیز کا سال جلوس ۳۶۵ھ ہے، اس لئے قصر عزیز کی تعمیر کا زمانہ ۳۶۵ھ سے ۳۷۲ھ تک کے اندر ہے، جن کے مطابق عیسوی سنین ۹۷۵ء سے ۹۸۲ء ہوتے ہیں، موسیو لیبان بھی زیزہ کا زمانۂ تعمیر دسویں صدی عیسوی قرار دیتے ہیں[2] لیکن ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں، اسکو تھیودوسیس راہب نے جو ۸۶۵ء کی سیراکیوز کی جنگ میں گرفتار ہو کر بلرمو گیا تھا، دیکھا تھا[3]، شاید لیبان کی سامحت ہو، جسکی

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲، ص ۴۲۳، مقالہ فن تعمیر طبع یازدہم، تمدن عرب ص ۲۸۲، ۴۹۱ [2] اعمال الاعلام در یادگاری ج ۲ ص ۴۷۰، تمدن عرب ص ۴۹۲ [3] اسی لئے میں نے اس کا اردو املا، تمدن عرب کے اردو املا "غیزہ" کے بجائے "زیزہ" اختیار کیا، جو "عزیزہ" یا "العزیز" سے زیادہ قریب ہے،

تصحیح انہی کے محولہ بالا بیان سے ہو جاتی ہے، تھیوڈوس نے بلرم کے کسی دوسرے قصر کا تذکرہ کیا ہوگا، جسکو زیزہ پر منطبق کیا گیا، ورنہ دسویں صدی کی عمارت نویں صدی میں کیونکر دیکھی جاسکتی ہے، اس لئے اگر زیزہ دسویں صدی کی عمارت ہے (جس کی عربی ماخذ سے تائید و تطبیق ہوتی ہے، اور بظاہر تغلیط کی کوئی وجہ نہیں)، تو وہ صقلیہ کے عہد کلبی کا قصر عزیز ہی ہے[1]،

قصر قوبع کا تذکرہ بھی جو اسی کے پاس ہے، یورپین مورخین کے یہاں آیا ہے، اس کے متعلق بھی عربی ماخذوں سے بعض احتمالات پیش نظر ہیں، لیکن ابھی وہ اس لائق نہیں، کہ پیش خدمت ہوں، لیبان نے ان قصروں کے کھنڈر دیکھکران کا نقشہ کھینچا ہے، ادریسی نے بلرم کے بعض قصروں کا پر شکوہ الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، اگرچہ ناموں کی تصریح نہیں، مگر جائے وقوع اور صفات کے لحاظ سے بہر صورت انہی قصروں کا تذکرہ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ابن جبیر صقلیہ کے ان شاہی محلوں کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہے، جنمیں نارمن فرمانروا سکونت پذیر تھا، اور بہ تحقیق معلوم ہے، کہ ان میں سے بقول ادریسی بجز ایک قصر کے جسے راجر دوم نے تعمیر کرایا تھا، سب کے سب عہد اسلامی کی یادگار تھے، افسوس ہے، کہ ادریسی اور ابن جبیر کے اقتباسات پڑھنے کا موقع نہیں، کہ ان قصروں کی جلالت شان کا صحیح اندازہ ہوتا[2]،

قصر سعد بلرم سے ایک فرسخ پر واقع تھا، ابن جبیر کے بیان کے روسے اس کا طرز تعمیر اسی قدیم وضع کا معلوم ہوتا ہے، جو مسلمانوں نے ابتدائے جزیرہ میں رائج کیا، قصر میں داخلہ کے لئے لوہے کا ایک پھاٹک ہے، اور اندر کشادہ اور وسیع قیام گاہیں، اور دو منزلہ عمارتیں تھیں، قصر کے بلند حصہ پر ایک مسجد تھی، جو ابن جبیر کے بقول دنیا کی خوبصورت ترین مساجد میں تھی، قصر کے سامنے ایک کشادہ سڑک تھی جو قصر کے چاروں طرف گھومتی تھی، ابن جبیر کے عہد تک یہ قصر اچھے حال میں تھا،

[1] تمدن عرب ص ۱۰۴ - ۴۹۱ - ۴۹۲، [2] نزہۃ المشتاق ادریسی ص ۲۳، رحلہ ابن جبیر ۳۲، گب،

قصر جعفر، قصر سعد سے ایک میل پر واقع تھا، یہ بھی اپنے طرز اور خصوصیات میں اسی کے مثل تھا، ابن جبیر کے عہد تک اس کے فوارہ سے پانی اچھلتا رہتا تھا[1]، بظاہر یہ دونوں قصر عہد اغالبہ کی یادگار تھے، اور کیا عجب کہ تھیودوسیس نے انہی کا نظارہ کیا ہو،

ابن جبیر نے بلرم اور بعض دوسرے شہروں کی مسجدوں کی تعریف کی ہے، جنمیں سے بعض کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ ان میں شیشے اور تانبے کی چالیس قندیلیں آویزاں تھیں، اور اسی نے نارمن عہد کی بعض اسلامی طرز کی عمارتوں، قصر ابیض، مسینا، اور کنیسہ انطاکی بلرم کی بھی تعریف کی ہے، خصوصاً کنیسہ انطاکی کی بجید توصیف کی ہے، اس میں سونا، پانی کی طرح بہایا گیا تھا، سنہری، روپہلی قلعی، طلائی پچی کاری، رنگ آمیزی اور قیمتی رنگین پتھروں کا استعمال وغیرہ قابل ذکر ہیں، یہ سب مسلمان مہندسین اور معماروں ہی کے موئے قلم کے یادگار شاہکار تھے[2]،

صقلیہ کے عہد اسلامی کی یادگاریں جس طرح مٹائی گئیں، بقول بعض عیسائی مورخین اس کی مثال دوسری جگہ نظر نہیں آتی، جو یادگاریں باقی رہ گئی ہیں، ان پر ایک مقالہ پروفیسر لے، سلینس نے یادگاری مضامین اماری میں لکھا ہے، جس کے مباحث زبان کی اجنبیت کے باعث ابھی تک معلوم نہ کرسکا[3]، چند دیواروں، کھڑکیوں، اور محرابوں کی، تصویریں بھی چھاپی ہیں، عمارتوں کے یہ ٹکڑے سسلی کے عجائب خانے میں محفوظ ہیں، ان تصویروں میں بعض مخروطی شکل کی ہیں، بعض مستطیل ہیں، اور بعض نکیلی معلوم ہوتی ہیں، محرابوں کی ساخت سے پتہ چلتا ہے

[1] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۹ گب، [2] ایضاً ص ۳۳۲، ۳۳۳ گب، [3] اسی طرح شاک اور بیکر نے سسلی کے اسلامی فن تعمیر پر جو کچھ لکھا ہے ابھی تک وہ نظر سے نہیں گذر سکا، ڈاکٹر سر اقبال، ڈاکٹر برکت علی قریشی، پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، اور ڈاکٹر حسین ہمدانی سورتی کا شکر گذار ہوں، کہ ان میں سے اول الذکر نے اس خطبہ کی قرأت سے پہلے زبانی گفتگو میں شاک کی تصنیف کے دیکھنے کی ہدایت فرمائی، اور موخر الذکر دونوں اہل علم نے اس خطبہ کی قرأت کے بعد جنمیں تمیداً ماخذوں کو بھی بتایا گیا تھا، ان دونوں کی کتابوں سے مقرر کو آگاہ کیا،

کو تپھر کی تراشی ہیں، کھڑکیاں بھی سنگی اور جالی دار ہیں، جالیوں کے اقسام پر تو عبور نہیں، تاہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بعض بظاہر بھدی شکل کی ہیں، لیکن اکثر کی تراش خراش، خوبصورت، نازک اور اپنے اندر کشش رکھنے والی ہے جن پر بے ساختہ نگاہ اٹھ جاتی ہے، بعض ٹکڑوں میں آیاتِ قرآنی مثلاً "نصر من اللہ و فتح قریب" پاکیزہ خط میں نقش ہیں، بعض نقش خط طغرا میں ہیں، اور بعض کلیساؤں کی تصویریں بھی چھپی ہیں، یہ مختلف ٹکڑے مختلف شہروں بلرم (پلرمو) طبرمین (ٹاورمینا) سرقوسہ (سیراکیوز) اور مسینا کی مختلف عمارتوں کے ہیں[1]،

ہندسین صقلیہ صقلیہ کے ترقی یافتہ اسلامی فن تعمیر کے لحاظ سے یہاں کے ہندسین اور باکمال معماروں کی کثیر تعداد ہونی چاہئے تھی، مگر اس وقت تک اہل صنعت کے طبقات وتراجم کا رواج نہ تھا، اس لئے صرف ایسے چند ہندسین کے نام معلوم ہو سکے، جنھیں کسی دوسرے علم میں کمال حاصل تھا، یا کہیں کہیں بعض ایسے نام نظر آئے، جن کا تذکرہ اسلامی ممالک کی بعض عمارتوں کے ضمن میں آگیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ان کے خدمات کی قدر تھی، جن ہندسین کے نام معلوم ہو سکے، ان کی مجموعی تعداد صرف ۵ ہے، جن میں سے بعض جامع اشبیلیہ، فصیل طرابلس الغرب، رصد خانہ مصر، اور جامع طرابلس الغرب وغیرہ کے معمار ہیں، ان کے تذکرہ کے لئے دیکھئے خطط مقریزی (ج ۱ ص ۲۰۶) اخبار مصر ابن میسر (ج ۲ ص ۴۹) رحلۃ التجانی (در اماری ص ۳۰۸، ۳۹۰) اخبار العلماء باخبار الحکماء قفطی (ص ۱۸۹) الحان المسلیہ ابن سعید (در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۵۵) اور خریدۃ القصر اصفہانی (در اماری ص ۵۹۶)

مال غنیمت صقلیہ میں مسلمانوں کے لئے پیدائش وحصول دولت کا ذریعہ لڑائیوں کا مال غنیمت بھی تھا، میں اس موقع پر صقلیہ کے اسلامی وعیسوی محاربات کے اسباب وعلل اور ان کی تفصیلات میں نہ جاؤنگا، کہ اسکا تعلق سیاسیات سے ہے، مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ ان لڑائیوں کا سلسلہ مختلف اسباب وعلل کے باعث قریب قریب قائم رہتا، یہ لڑائیاں صقلیہ کے رومی مقبوضات کے علاوہ زیادہ تر اٹلی میں پیش آتیں، صقلیہ کے

[1] یادگاری مضامین در اماری ج ۲ ص ۴۹۵، ۵۰۰،

عام مسلمان اس میں شریک ہو کر وافر دولت حاصل کرتے، کہ مال غنیمت کی قانونی تقسیم کے رو سے حکومت کے حصہ کے علاوہ عام مجاہدین کو بھی حصہ ملتا، صقلیہ کے مال غنیمت کی قدر وقیمت کا اندازہ بعض موقعوں کے مال غنیمت سے کیجئے، مثلاً ۳۱۳ھ/۹۲۵ء میں ابو جعفر احمد بن عبید کی سرکردگی میں اٹلی کے مختلف شہروں پر حملے ہوئے، اور مال غنیمت جمع ہوا، ابو جعفر نے اس میں سے ایک واجب حصہ خلافت فاطمی کے دربار میں نذر کیا، عبید اللہ فاطمی کے ایک خادم نے دربار میں زر وجواہر، بیش قیمت ریشم، اور دولت وثروت کا انبار دیکھ کر ابو جعفر کی دیانت کی تعریف کی، تو عبید اللہ نے روک کر کہا، "بخدا اس نے اونٹ کے دو کانوں کے سوا مجھے کچھ نہیں دیا"[1]،

اسی طرح صقلیہ کے مختلف شہروں قصریانہ وسرقوسہ وغیرہ کی فتح میں بے دریغ دولت ہاتھ آئی[2]، اور اٹلی پر عہد اسلامی کے زوال سے کچھ ہی پہلے تک مسلسل حملے ہوتے رہے، اور مشکل سے ایسا حملہ کوئی ہوگا، جس میں وافر دولت نہ ملی ہو،

تجارت تجارت، پیدائش وحصول دولت کا متعارف ذریعہ ہے، اس میں پہلی ضرورت ذرائع آمد ورفت اور بار برداریوں کی آسانیوں کی ہوتی ہے، ذرائع آمد ورفت میں بری وبحری دونوں راستے تھے، ایک شہر سے دوسرے شہر تک کی سڑکیں صاف، کشادہ تھیں جن پر پتھر بچھائے گئے تھے[3]، بحری راستہ دوسرے ممالک سے تھا، نیز اندرون ملک کے دریاؤں میں بھی کشتیوں سے آمد ورفت قائم تھی، یہی وجہ ہے، کہ صقلیہ کے عہد اسلامی میں یہاں بکثرت بندرگاہیں تھیں، جن سے معاشی واقتصادی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، ادریسی نے سب کو یکجا اور اُن کی جائے وقوع اور ایک سے دوسرے تک کی مسافت بیان کی ہے، انکی مجموعی تعداد ایک سو بارہ ہے[4]،

[1] البیان المغرب (ترجمہ اردو) ص ۲۶۵ [2] ابن اثیر ج ۷ ص ۲۴، ۳۴، ۲۲۲، اعمال الاعلام در یادگاری ج ۲ ص ۴۲۲ [3] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۹، معجم البلدان ج ۲ ص ۲۶۹، [4] نزہۃ المشتاق ص ۵۴

باربرداری کے ذرائع میں کشتیاں، جہاز، جانور، اور قلی تھے، اندرونِ ملک میں گھوڑوں اور دوسرے جانوروں پر سامان لادتے، اور لیجاتے، جہازوں اور کشتیوں پر جانور اور قلی دونوں سامان لادتے تھے[۱]،

مبادلہ کی ضرورت حصولِ دولت و ارتفاعِ حاجت کے لئے ہوتی ہے، جس میں تجارت کی ابتداء، منڈیوں کا قیام، معیار تبادلہ کے لئے زر، ناپ اور تول کی تعیین، وسعتِ تجارت کے لئے دوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات کا قیام، اور اسباب تجارت کے لئے درآمد، برآمد کا ہونا ضروری ہے،

تجارت کی ابتداء صقلیہ میں عہد اسلامی سے پیشتر محض غلہ کی تجارت تھی، اور اس کی تجارت بھی رومیوں کے مصر فتح کرنے کے بعد ماند پڑگئی تھی، یورپین مورخین کے بقول مسلمانوں نے یہاں کی تجارت نئے سرے سے زندہ کی اور زراعت، صنعت اور حرفت کو ترقی دے کر غیر معمولی تجارتی فروغ حاصل کیا[۲]،

تجارتی منڈیاں مسلمانوں نے یہاں تجارتی منڈیاں قائم کیں، جن سے مراد لین دین کا بازار ہے، یہ بازار دو قسم کے تھے، اندرونِ ملک میں خردہ فروشوں کی دوکانیں اور ساحل کی تجارتی گودیاں جہاں درآمد برآمد کا مال جمع ہوتا، صقلیہ کے اکثر شہروں میں کاروبار کا بازار گرم تھا، ادریسی نے مشکل سے کسی بڑے یا اوسط درجہ کے شہر کے متعلق مثلاً یہ نہ لکھا ہو، وہاں اسواق جامعة لاصناف الصنائع وضروب المتاجر" یہاں ایسے بازار ہیں جس میں صنعت و تجارت کی ہر قسم کی چیزیں موجود رہتی ہیں، یا یہاں کا سوق العامرة" یہاں معمور بازار ہیں، بازاروں کیلئے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بلرم میں ہر صنف کے لئے جدا جدا بازار تھے، جن میں ایک ہی وضع کے مکانات بنائے گئے تھے[۳]، اور درآمد برآمد کی بڑی بڑی گودیاں شمال مشرق ساحل پر مسینا میں، جنوب مشرق میں سرقوسہ میں، مغربی ساحل پر مازر، اور اسی طرح بلرم، مینا، طرانش، لیاج، ترنیس، میلاص اور شکلہ وغیرہ میں قائم تھیں، ادریسی نے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مثلاً مسینا کے متعلق لکھتا ہے:-

"یہاں تمام ساحلی ممالک روم سے آکر لنگر اندازی ہوتی ہے، اور بڑے بڑے جہاز لنگر انداز ہوتے

---

[۱] نزہۃ المشتاق در حلہ ابن جبیر [۲] سسلی از فریان تمدن عرب لیبان ص ۲۰۲، [۳] نزہۃ المشتاق ص ۲۸، ۲۹، ۳۰ وغیرہ، والمسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵،

ہیں، اور تمام بلاد روم و ممالک اسلام کے تجار آتے ہیں، سامانِ تجارت، عمدہ اور آنے والوں کی تعداد بہت ہے[۱]"

زر، سکوں میں عام معیار سونا تھا، جو خواہ بغداد کا مسکوک ہوتا، یا افریقیہ یا اندلس کا، تاہم افریقیہ کا سکہ زیادہ رواں تھا، افریقیہ کا سکہ دوسرے سکوں سے کسی قدر مختلف بھی تھا، اغالبہ کے بعد فاطمی سکہ رواں ہوا، جو جنوب سے دمشق تک رائج تھا، اس سکہ کا بلند درجہ دینار تھا، پھر اس کا چوتھا، آٹھواں اور سولھواں حصہ متعین تھا، آخری حصہ کو خرنوبہ کہتے تھے[۲]، دولت کلبیہ نے اپنا سکہ بھی جاری کیا تھا، جو غالباً افریقی دینار اور اس کے حصص کے مثل تھا، اس کے ایک سکہ رباعی کی تصویر جرجی زیدان نے الہلال میں شائع کی تھی، ان سکوں پر کلمہ طیبہ سنہ ہجری اور فرمانروا کا نام مسکوک تھا، نارمنوں نے بھی اپنا سکہ اسی قسم کا مسکوک کرایا تھا، راجر اول کے عہد میں تو کلمۂ توحید کے ساتھ کلمۂ رسالت بھی سکہ پر مسکوک ہو گیا تھا، راجر دوم نے اقرار رسالت کو حذف کر دیا، پھر پاپائے روما سے شاہ کا خطاب ملنے پر کلمۂ توحید بھی مٹا دیا گیا، ان سکوں پر فرمانرواؤں کے خطابات عربی ہی میں تھے، راجر دوم کا نام یوں تھا" المعتز باللہ الملک المعظم راجر الثانی" ولیم اول نے ذیل کے الفاظ کندہ کرائے،" الھادی بامر اللہ الملک المعظم" اس کے عہد تک کے سکہ پر سنہ ہجری مسکوک ملا ہے، یہ سکے بلرمو، اور اٹلی کے عجائب خانوں میں آج بھی موجود ہیں[۳]، ابن جبیر نے اس عہد میں دینار مومنیہ بھی یہاں چلتے دیکھا تھا[۴]،

ناپ تول کا معیار قفیز اور رطل پر قائم تھا، قفیز ۳۲ ثمن کا اور ثمن ۶ مد کا ہوتا تھا، مد عہد نبوی کا تھا، اور مد نبوی کہلاتا تھا، مشرقی و مغربی رطلوں میں فرق تھا، بعض چیزوں کی تول ایک دوسرے رطل سے ہوتی تھی، جو متعارف رطل سے ۱۰ درہم کم تھا، تولنے کے باٹ شیشے کے ہوتے تھے[۵]،

---

[۱] نزہۃ المشتاق ص ۲۶ [۲] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۴۰ [۳] مقالہ لی مورتھس در یادگاری اماری ج ۱ ص ۲۰۳ [۴] رحلہ ابن جبیر [۵] احسن التقاسیم ص ۲۴۰،

غیر ممالک سے تجارتی تعلقات قائم تھے، یورپین مورخین کا بیان ہے، کہ اٹلی میں مسلمانوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم تھیں[1]،

ادریسی صقلیہ کے مختلف شہروں کے متعلق لکھتا ہے، "ویجہز الی قلوریہ وغیرہا بلاد النصاریٰ" یہاں کا سامان قلوریہ، اور دوسرے عیسوی ملکوں کو جاتا ہے[2]، اندلس سے بھی تجارتی تعلقات قائم تھے، فرمانروایانِ اندلس اپنے تجارتی جہاز صقلیہ بھیجتے[3]، شمالی افریقہ کے ساحلی مقامات سے تو دن رات کی آمد و رفت تھی، دور کے شہروں سفاقس وغیرہ سے بھی تجارتی جہاز آتے جاتے[4]،

اس لیے دراصل صقلیہ اس زمانے میں مشرق و مغرب، یورپ و افریقہ اور یورپ و ایشیا کی تجارت کا سنگم تھا، جس کا سلسلہ نارمنوں کے عہد میں بھی قائم رہا، اور اس عہد میں بھی تجارت پیشہ زیادہ تر مسلمان ہی رہے، جو مختلف ملکوں کو جہاز لیجاتے، ابن جبیر نے ایک دن طرابنش کے ساحل سے اندلس سبتہ، اور سکندریہ کے لئے تین جہاز ایک ساتھ کھلتے دیکھے، اور بیان کیا، سب جہازوں پر مسلمان تاجر اور حاجی سوار ہیں[5]،

برآمد و درآمد، یہاں کی اشیائے برآمد میں غلہ کی مختلف قسموں کے علاوہ خشک و تر میوے، مچھلیاں، شہد، مٹھائی یا حلوا، لکڑی، لوہا، مونگا، موتی، گندھک، نوسادر اور کپڑے وغیرہ ہیں، جو چیز جس شہر کے مضافات کی پیداوار ہوتی، وہیں کے بندر سے لادی جاتی، ادریسی نے سب کو نام بنام گنایا ہے، اور جو چیز جہاں جاتی، اس کا تذکرہ بھی کیا ہے، مثلاً خشک و تر میوے، مچھلیاں، افریقہ اور یورپ کو، شہد یورپ کو، نوسادر مصر کو، لیکن مقدسی کی روایت کے بموجب مصر میں صقلیہ کے نوسادر کی مانگ ۳۷۰ھ کے بعد قریب قریب بند ہوگئی تھی، بعض دوسری مصری چیزوں سے اس کی ضرورت رفع ہونے لگی، اسی طرح مٹھائی یا حلوائے اطریہ یورپ کو جاتا، اور صقلیہ کا کپڑا تو قریب قریب اکثر متمدن ملکوں میں جاتا تھا، یہاں تک کہ

[1] تاریخ عرب سدیو ص ۲۴۷، [2] نزہۃ المشتاق ص ۳، [3] مسالک الابصار ابن فضل اللہ الدمشقی در المازنی ص ۷۵۳، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۸۲، [5] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۴،

دولت کلبیہ کے عہد میں صقلیہ کے اس مشہور کپڑے کی برآمد جو دن میں کئی رنگ بدلتا تھا، صرف شاہانہ ذوق انفرادیت سے ممنوع قرار دے دیگئی تھی، مقدسی لکھتا ہے،

"صقلیہ ۔۔۔۔ سے نفیس کپڑے بھیجے جاتے ہیں ۔۔۔۔۔ اور سلطان نے دوسرے ملکوں کو اس کپڑے کی برآمد ممنوع قرار دے دی ہے، البتہ جو اس سے چھپ چھپا کر لیجایا جائے[1]"

تقسیم دولت

ملک میں زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت کے کاروبار سے آبادی کے مختلف طبقے کسان، زمیندار، صناع، تاجر، اور مزدور پیدا ہوگئے تھے، پھر نظامِ حکومت کے لحاظ سے عمال و ملازمین حکومت، موالی، اور غلاموں، کے طبقے تھے، لڑائیوں کی شرکت کے لئے مجاہدین کی جماعت تھی، اور اسی معیار و فرقِ مراتب کے لحاظ سے ان میں دولت تقسیم ہوتی تھی، اور اسی لحاظ سے امیر و غریب کے طبقے بھی قائم ہوگئے تھے،

صرف دولت

جس ملک کی زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت اس درجہ فروغ پر ہو، اور اعلیٰ نظامِ حکومت قائم ہو، اس ملک کا معیار زندگی بہرحال بلند ہوگا، اور تقسیم دولت کے اصول سے غریب سے غریب طبقہ کو بھی اس قدر مہیا ہو جائیگا، کہ فارغ البالی کی زندگی بسر ہو،

پھر جب کسی قوم میں دولت و ثروت کی بہتات ہوتی ہے، تو تعیشات و تکلفات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں، اور طرز زندگی کے محاسن سے ہر چیز میں خوش سلیقگی آجاتی ہے، اور فراغ بالی اور حسنِ معاشرت سے جسمانی حسن و جمال بھی پیدا ہو جاتا ہے، عام معاشرتی بلندی کا اجمالی نقشہ بزم کے تذکرہ میں گذرا ہے، حسن معاشرت و تکلفات و تعیشات اور اس سے ملک کی عام خوشحالی کا، ذیل کے ذکر عرب مورخین کے بیانوں سے اندازہ لگائیے، صاحب کتاب ہیئۃ اشکال الارض کا صقلیہ کے اسلامی عہد کے

[1] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۳۹، ۲۴۱، و نزہۃ المشتاق ذکر مدن صقلیہ،

متعلق بیان ہے :-

یہاں کے لوگ اپنے ہمسایوں کے درمیان، سامان، لباس اور دیگر حالات کے لحاظ سے صفائی اور ستھرائی میں مشہور ہیں، اور لوگون میں احسان، حسن صورت، معاشی اعتدال، سیدھی مروت اور عمدہ معاشرت کی وجہ سے ممتاز ہیں[1]۔

اسی طرح ابن جبیر نے بلرم کی مسیحی عورتوں کی ایک ٹولی کو سرِ راہ گذرتے دیکھا، اور اس متحرک گلدستہ کی تصویر چند خطوط کھینچ کر اتاری، اس کا بیان ہے، کہ ان عورتوں نے مسلمان عورتون کا طرز زندگی اختیار کر لیا تھا، جس سے صقلیہ کی مسلمان عورتوں کے پرتکلف طرزِ معاشرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے:

اس شہر میں مسیحی عورتوں کی وضع قطع بالکل مسلمان خواتین کے ایسی ہے، یعنی وہ بھی بڑی شان سے نکلتی ہیں، سنہرے حریر کے کپڑوں میں ملبوس، عمدہ نرم، اور نازک، اور جواہر ٹکے ہوئے، چادروں میں سمٹی سمٹائی رہتی ہیں، جسم پر زرتار چادریں، اور چہروں پر رنگین نقاب اور پیروں میں سنہرے موزے ہوتے ہیں، غرض مسلمان عورتوں کی آرایش کے تمام سامانوں اور زیوروں سے آراستہ، مہندی لگائے، کپڑے عطر میں بسائے، بڑی شان سے ایک دن گرجے کی طرف چلتی دکھائی دیں[2]۔

بس یہی ہے صقلیہ کے عہد اسلامی کی معاشی زندگی کا ایک آئینہ، (باقی)

---

[1] کتاب ہیئتہ اشکال الارض ومقادیرہا فی الطول والعرض از ادریسی ص ۱۲ [2] رحلہ ابن جبیر ص ۳۳۳،

تاریخ صقلیہ جلد اول

اس میں سسلی کے مسلمانوں کے عروج و زوال اور پھر مصائب وجلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، اندلس کے مسلمانوں کے متعلق تو آپنے بہت کچھ پڑھا ہوگا، سسلی کے مصیبت زدہ بھائیوں کی یاد بھی تازہ کیجیے، اور ان کے درخشان کارنامے ملاحظہ فرمائیے، ضخامت ۴۴۰ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت للعہ از سید ریاست علی ندوی "منیجر"

"سرودِ زندگی"

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

خمریات، تغزل کا ایک لطیف جزو خمریات بھی ہے، خمریات کے معنی محض "مے پرستی" اور "بادہ نوشی" کے مضامین کے نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک نہایت وسیع اور جامع مفہوم ہے، جسمیں حسن وعشق کی کیفیات سے لیکر عرفان وحقیقت کے اسرار تک سب داخل ہیں، اگرچہ خمریات تغزل کا کوئی ایسا ضروری جزو نہیں ہے جسکے بغیر وہ ناقص رہجاتا ہو، لیکن جو شعرا اس بادہ کے ذوق شناس ہیں، خمریات ان کے کمال کا بہت بڑا معیار ہے، قریب قریب ہر زبان میں کچھ نہ کچھ شعرا ایسے ہیں جنھوں نے اس وصف خاص میں کمال پیدا کیا ہے، عربی میں ابونواس، فارسی میں خیام وحافظ، اردو میں ریاض، خیام وحافظ کی مقبولیت کا سب سے بڑا راز یہی ہے کہ انھون نے بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل کو شراب اور اس کے لوازم کی تمثیلات میں ادا کیا ہے، جس سے عام تماشائی اور ارباب نظر دونون اپنے اپنے ذوق ونظر کے مطابق لطف اندوز ہوتے ہیں،

اصغرؔ اولاً خود بادۂ حقیقت کے لذت شناس ہیں، دوسرے وہ بڑی حد تک میکدۂ شیراز کے جرعہ کش ہیں، اس لئے اونھون نے بھی حافظ کے اتباع میں حسن وعشق کی کیفیات اور تصوف کے مسائل وکوائف کو موجِ شراب کے پردہ میں بیان کیا ہے، انکی بادہ پیمائی اور جام ومینا کی تفسیر خود انکی زبان میں یہ ہے:

عقل ہو غرق تجلی روح پا جائے جلا
بیٹھ کر اک لحظہ شغلِ جام ومینا کیجیے

انکے میخانہ مین وہ تجلی ہے کہ پینے سے زیادہ کھو جانے میں مزا ہے، اور انکا میخانہ اسرار حقیقت کا عقدہ کشا ہے:

ایک ایسی بھی تجلی آج میخانہ میں ہے،
لطف پینے میں نہیں ہے بلکہ کھو جانے میں ہے

گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہر سب دیکھا ہوا — یہ غنیمت ہے درِ میخانہ اب تک باز ہے

انکی مینائے مے کی نور افشانی کے سامنے آتشِ وادیِ ایمن بھی چھپ جاتی ہے،

پتہ ملتا نہیں اب آتشِ وادیِ ایمن کا — مگر مینائے مے کی نور افشانی نہیں جاتی

انکے جامِ رنگیں کی تجلی سے زمین سے آسمان تک عالمِ انوار ہو جاتا ہے،

تجلی چہرۂ زیبا کی ہو کچھ جامِ رنگیں کی — زمیں سے آسمان تک عالمِ انوار ہو جائے

طوفانِ مے وجوشِ مستی،

یہ بن کر برق و باران دیکھو کیا کیا غضب ڈھائے — خمِ گردوں سے موجِ مے اٹھی ہر کس قیامت کی

ہٹا کے شیشہ و ساغر ہجومِ مستی میں — تمام عرصۂ عالم پہ چھا گیا ہوں میں،

ساقی کے کرم سے دنیا جوان ہوتی ہے،

بہارِ سبزہ و گل ہے کرم ہوتا ہے ساقی کا — جوان ہوتی ہے دنیا میکدہ آباد ہوتا ہے

اصغر کی خمریات کی بہت سی کیفیتیں شرح و بیان کی متحمل نہیں ہو سکتیں، بیان کی ٹھیس سے اس بادۂ صافی کا نازک شیشہ چور ہو جاتا ہے،

ابھی یہ طرزِ مستی مجھ سے سیکھیں میکدے والے — نظر کو چند موجوں پر جما کر بے خبر ہونا،

ہاتھ میں لے کے جامِ مے آج وہ مسکرا دیا — عقل کو سرد کر دیا روح کو جگمگا دیا،

یکایک توڑ ڈالا ساغرِ مے ہاتھ میں لیکر — مگر ہم بھی مزاجِ نرگسِ رعنا سمجھتے ہیں

اس رُخ پہ ہے نظر کبھی جامِ شراب میں — آیا کہاں سے نورِ شبِ ماہتاب میں

کہاں خرد ہے کہاں ہے نظامِ کار اسکا — یہ پوچھتی ہے تری نرگسِ خمار آلود

ترے قربان ساقی اب وہ موجِ زندگی کیسی — نہیں دیکھی ادائے لغزشِ مستانہ برسوں سے

خمریات میں اصغر کا مذاق نہایت لطیف ہے، اس لئے انھوں نے ایسی ایسی نادر تشبیہیں پیدا

کی ہیں کہ ذوقِ سلیم بے اختیار وجد میں آجاتا ہے،

ساقیا جام بکف پھر ہو ذرا گرم نوا — حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا دیکھیں

اوس نے دکھا دیا مجھے ساغرِ مے اچھال کر — آج بھی کچھ کمی نہیں چشمکِ برقِ طور میں

موجوں کا عکس ہے خطِ جامِ شراب میں — یا خون اچھل رہا ہے رگِ ماہتاب میں

میں اس ادائے مستِ خرامی کو کیا کہوں — میری نظر تو غرق ہے موجِ شراب میں

لذتِ الم گداز عشق اور سوزِ غم شاعری کا نہایت ضروری عنصر ہے، تغزل کی جان ہے، اسی سے روحِ شعری پیدا ہوتی ہے، لیکن سوز و گداز بھی گویا اُلفتِ عشق کی ابتدائی کیفیت ہے، اس کا بلند ترین درجہ لذتِ الم ہے جب دل دردِ عشق سے ذوق یاب اور روح جراحتِ غم سے لذت گیر ہونے لگتی ہے، اس لئے ہم نے سوز و گداز کی پرانی اصطلاح کے بجائے اسے لذتِ الم سے تعبیر کیا ہے، اصغر کا دردِ عشق اسی منزل میں ہے، اسکی بہارِ رنگیں بھی خزان کی پروردہ ہے،

ہے خستگی کے دم سے رعنائیِ تخیل — میری بہارِ رنگیں پروردۂ خزان ہے

وہ اشک باری میں بھی مسکرائے جاتا ہے،

مسکرائے جاتا ہوں اشک بہتے جاتے ہیں — غم کا کام لیتا ہوں عیش کے ترانے سے

وہ لذتِ الم کیلئے خود آپ زخم لیتا ہے، اور درد کے بہانہ سے مطلوب کو یاد کرتا ہے،

زخم آپ لیتا ہوں لذتیں اٹھاتا ہوں — تجھکو یاد کرتا ہوں درد کے بہانے سے

مستقل غم خود ایک کیفیت بنجاتا ہے، اور درد کی لذت جاتی رہتی ہے اس لئے وہ تلخیِ غم کو قائم رکھنے کیلئے کبھی کبھی صہبائے خوشگوار بھی چاہتا ہے،

صہبائے خوشگوار بھی یارب کبھی کبھی — اتنا تو ہو کہ تلخیِ غم بے مزہ نہ ہو،

وہ درد کو متاعِ زیست سمجھتا ہے،

متاعِ زیست کو ہم زیست کا حاصل سمجھتے ہیں
جسے سب درد کہتے ہیں اُسی کو ہم دل سمجھتے ہیں

آلامِ روزگار کو آسان بنانے کیلئے انھیں غمِ جانان بنا دیتا ہے،

آلامِ روزگار کو آسان بنا دیا، جو غم ہوا اُسے غمِ جانان بنا دیا

کچھ تو کہو یہ کیا ہوا تم بھی تھے ساتھ ساتھ کیا
غم میں یہ کیون سرور تھا درد نے کیون مزا دیا

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ روان
جو غم کیساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہو

بلندئ اخلاق | موجودہ شاعری پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ نہ صرف اخلاقی بلندی سے خالی ہے بلکہ پستی سکھاتی ہے، یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، ایک زمانہ تھا کہ شاعری تہذیبِ اخلاق کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، اور شاعر معلمِ اخلاق سمجھا جاتا تھا، اگرچہ گذشتہ شعرا میں سعدی کے علاوہ کسی نے اصلاحِ اخلاق کو مستقل موضوع نہیں بنایا، لیکن ان کے دواوین اخلاقی اسباق سے خالی نہیں ہوتے تھے، اس دور جدید کے شعرا میں آزاد، حالی، اکبر، اور اقبال نے اسکو مستقل موضوع بنا لیا، اصغر اگرچہ کوئی اخلاقی اور مصلح شاعر نہیں ہیں، لیکن انکا دیوان اخلاقی عناصر سے خالی نہیں ہے،

خودداری:-

خود آپ اپنی آگ میں جلنے کا لطف ہے
اہلِ تپش کو آتشِ سینا نہ چاہیے،

آزادی:-

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے

کوتاہئ عمل گرفتاری ہے:-

یہان کوتاہئ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہان بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

عافیتِ کنجِ قفس موت ہے:-

مار ڈالے گی مجھے عافیتِ کنجِ قفس
جوشِ پرواز کہان جب کوئی صیاد نہ ہو

زندگی خطرات کی زندگی ہے:-

یہان تو عمر گذری ہے اسی موجِ تلاطم میں
وہ کوئی اور ہون گے سیرِ ساحل دیکھنے والے

حوصلہ کی بلندی:-

اُبھرنا ہو جہان جی چاہتا ہو ڈوب مرنے کو
جہان اُٹھتی ہیں موجیں ہم وہان ساحل سمجھتے ہیں

اصغر کی کوتاہیاں | یہان تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اصغر صاحب کی شاعری کے صرف ایک پہلو یعنی محاسنِ شاعری کے متعلق تھا، دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے معائب اور خامیون پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے، یون تو خامیون سے بڑے بڑے اساتذہ کا کلام بھی پاک نہین، لیکن کسی کلام کی خوبی و خامی اور حسن و عیب کا اندازہ کلام کے مجموعی محاسن و معائب، انکی نوعیت اور کمی و زیادتی سے کیا جاتا ہے، اگر کسی بڑے شاعر کے کلام میں معمولی فروگذاشتیں ہیں، تو وہ چندان لائقِ التفات نہین، لیکن اگر فروگذاشتین بڑھ کر لفظی اور معنوی خامیون بلکہ اغلاط تک پہنچ جائیں تو وہ نظر انداز نہیں کیجا سکتین،

ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اصغر صاحب کا موجودہ کلام بعض حیثیتون سے ان کے مرتبہ شاعری سے بہت گر گیا ہے، اور اسمین الفاظ، معنی طرزِ ادا وغیرہ ہر طرح کی بکثرت خامیان ہیں بعض بعض تو ایسے فاحش اغلاط ہیں کہ اصغر صاحب کیجانب انتساب کرنے کو جی نہیں چاہتا،

ان کے موجودہ کلام کا سب سے بڑا عیب اور نقص جو ہر صاحبِ مذاق کو اول نظر میں نظر آتا ہے، وہ الفاظ کا بے محل استعمال، جملوں کی بے ترتیبی، ترکیبون کی ناہمواری اور طرزِ ادا کی خامی ہے، اصغر صاحب کے متعلق یہ سوءِ ظن تو کیا نہیں جا سکتا کہ ان کو الفاظ کے انتخاب، ان کے دروبست، ترکیبون کی نشست اور طرزِ ادا کی دلآویزی پر قدرت نہین، اسلئے کہ ابھی چند ہی برس پہلے وہ بلاغتِ ادا کا بہترین نمونہ نشاطِ روح پیش کر چکے ہین، لیکن اب معلوم نہیں اون کا حسن پرست مذاق شعر کے حُسنِ ظاہری سے اس قدر بے گانہ او بے نیاز کیون ہو گیا ہے، کہ اوسکی جانب بہت کم توجہ رہتی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ

وہ رنگین نواساحر جس نے نشاط روح کو حسن معنی کے ساتھ حسن الفاظ کا بھی ایسا مرقع بنا دیا تھا جسکی غزلیں آج بھی رنگینیٔ ادا اور دلکشیٔ بیان کے لحاظ سے خوش رنگ گلدستہ اور الفاظ کی مرصع کاری کی حیثیت سے عروس تغزل کا زیور معلوم ہوتی ہیں، اب استقدر بے پرواہ کیون ہوگیا کہ بعض اشعار میں بیان کی دلکشی تو کجا خیالات بھی مناسب الفاظ میں ادا نہیں ہوسکے ہیں اور بیان کی ژولیدگی، اور طرز ادا کی خامی کی وجہ سے ان کے بہت سے اشعار نہ صرف حسن ظاہری سے محروم ہوگئے ہیں، بلکہ ان کے معنی نکالنا مشکل ہین،

دوسری خامی معنوی ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ جہان تک خیالات کا تعلق ہے، اصغر صاحب نے نہایت نمایان ترقی کی ہے اب انکے خیالات رفعت و بلندی اور لطافت و پاکیزگی کی معراج کمال تک پہونچ گئے ہین، وہ روح القدس سے ہم کلام ہوتے ہین اور انفاس مسیح سے حرارت حاصل کرتے ہین، انکی گہرائی تحت الثری سے موتی نکالتی ہے اور انکا فلک پیما تخیل آسمان سے تارے توڑتا ہے، لیکن اس پرواز مین ان کا مرغ خیال کہین کہین بہک جاتا ہے، وہ ندرت خیال اور اسرار تصوف کی دھن میں کبھی کبھی ایسے خیالات بھی پیدا کرتے ہیں جن کا ان کے ذہن کے سوا اور کہیں وجود نہیں، اور نہ کوئی انسان ان کا متحمل ہوسکتا ہے، اس مین شبہہ نہین کہ عارفانہ حقائق ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر ایسے پرپیچ اور ذہنی خیال کو جسکی نزاکت معنی کی بھی متحمل نہ ہوسکے، تصوف کا کوئی دقیق نکتہ سمجھ لیا جائے محض صوفیانہ خیال یا تصوف کی اصطلاحات کی آمیزش سے کوئی خیال محض بامعنی حقیقت نہیں بن سکتا، اس دقت پسندی کی وجہ سے اصغر صاحب کے بعض اشعار بالکل بے معنی ہوگئے ہیں، اور عرب کا ہنون کی نثر معلوم ہوتے ہیں، انکے علاوہ اور جو خامیان ہیں وہ انہی دونون کے ماتحت ہیں، بعض مثالیں ملاحظہ ہون،

وہ موت ہے کہ کہتے ہیں جسکو سکون سب
وہ عین زندگی ہے، جو ہے اضطراب میں

یہ شعر مطلب کے لحاظ سے بالکل درست ہے، اور اسمیں ایک بلند خیال کا اظہار کیا گیا ہے، لیکن طرز ادا کی خامی نے سارا لطف بے مزہ کر دیا، لفظی عیب یہ ہے کہ "کہتے ہین جسکو سکون سب" میں نہایت فاحش تنافر حرفی ہے اور "عین زندگی" ...

ہے، معنوی اعتبار سے دونون مصرعوں کا تقابل صحیح نہین، یہ اس طرح درست ہوسکتا تھا،

جو زندگی سکون میں گذرے وہ موت ہو
ہے زندگی وہی جو رہے اضطراب میں

ازل میں اک تجلی سے ہوئی تھی بیخودی طاری
تمہیں کو مین نے دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے،

"یاد ہوتا ہے" صحیح نہیں "یاد آتا ہے" ہونا چاہیے، غالباً ردیف کی پابندی کی وجہ سے یہ تصرف کیا گیا ہے،

ہے خرد کی، عشق کی دونون کی ہستی پر نظر
یہ شہید نغمہ ہے، وہ مبتلائے ساز ہے،

اس شعر سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ شاعر خرد اور عشق کی تحقیر کرنا چاہتا ہے یا عشق کو خرد پر ترجیح دینا چاہتا ہے، یا دونون کی حقیقت بتانا چاہتا ہے، قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون کی حقیقت سے باخبر کرنا مقصود ہے کہ ایک شہید نغمہ ہے، دوسرا مبتلائے ساز ہے، لیکن ہستی پر نظر سے یہ مطلب واضح نہیں ہوتا، اسے یون کہنا چاہیے

ع ہے خرد اور عشق دونون کی حقیقت پر نظر، اس سے ایک مصرعہ میں تین "ی" کے اجتماع کا عیب بھی جاتا رہے گا،

طور پر لہرا کے جس نے پھونک ڈالا طور کو
اک شرار شوق بن کر میرے آب وگل میں ہے

اس شعر میں اولاً پہلے مصرع میں دو مرتبہ طور کی تکرار کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے اسمیں ایک گذرے ہوئے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اگرچہ بغیر علامت ماضی کے اظہار کے بھی صحیح ہے، اور معنی بھی سمجھ لئے جاتے ہین لیکن اگر اس کا اظہار ہوتا تو زیادہ بہتر تھا، تیسرے لفظ "جس نے" کا اقتضاء یہ ہے، کہ مصرع ثانی میں "اک" کے بجائے "وہ" کی ضمیر لائی جاتی، اور اس موقعہ پر اک کے کوئی معنی بھی نہیں ہیں،

جان ہی محو تجلی چشم و گوش و لب ہیں بند
حسن کو حسن بیان حسن نظر سمجھا تھا مین

اس شعر میں چند در چند لفظی اور معنوی نقائص ہیں، لفظی اور نہایت فاحش نقص یہ ہے کہ فارسی معطوف اور معطوف علیہ کے بعد "ہیں بند" کا ٹکڑا لگا دیا گیا ہے، جو اگرچہ قاعدہ کے اعتبار سے صحیح ہے، لیکن اس قدر غیر فصیح ثقیل اور ناہموار ہے، کہ ذوق سلیم کیا کانون کو یہ سخت گرانی سخت ناگوار معلوم ہوتی ہے، معنوی خامی یہ ہے

کہ اولاً مصرعِ ثانی میں حسنِ بیان صحیح نہیں ہے، دوسرے دونوں مصرعوں کا معنوی ربط بے جوڑ ہے، شاعر کا مقصد

یہ ہے کہ میں حسن کو حسنِ بیان اور حسنِ نظر سمجھا تھا، لیکن جان ایسی محوِ تجلی ہوئی کہ آنکھ کان لب سب محوِ حیرت ہو گئے

اور حُسنِ نظر اور حُسنِ بیان باقی نہیں رہا، حسن دیکھنے والے کے لئے حسنِ نظر تو ہر حالت میں ہے، اسلئے اسکا تعلق تو

اس سے صحیح ہے، لیکن حُسنِ بیان نہیں ہے، حُسنِ بیان کا تعلق حُسن سے البتہ ہو سکتا ہے، لیکن یہاں پر یہ مقصود

نہیں ہے، دوسرے محویتِ جلوہ، خود ایک حسنِ نظر ہے، اسلئے کہ تجلی چشمِ ظاہری سے دیکھی جاتی ہے، اگر محوِ تجلی کے بجائے محوِ

حقیقت ہوتا تو شاعر کا خیال صحیح ہو سکتا تھا،

کبھی مستی میں پھر گل کو رخِ زیبا سمجھتے ہیں | کبھی گل کہہ کے پردہ ڈال دیتے ہیں ہم اس رخ پر

اگرچہ اس شعر میں کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن میرے خیال میں اگر "پھر گل" کے بجائے "گل کو بھی" ہوتا

تو زیادہ بہتر تھا،

اللہ اللہ یہ کمالِ روحِ جولان دیکھئے، | جسم کو اپنا سا کر کے اڑ رہی افلاک پر

جولان عربی مصدر ہے، اس کو فارسی اسم فاعل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، جو صریحاً غلط ہے

کس طرح اٹھا ہے اک ساغر سے طوفان دیکھئے | غرق ہیں سب علم و حکمت دین و ایمان دیکھئے

مصرعِ ثانی میں "اک" حشو یا کم از کم بے جوڑ ہے،

گردشِ مہر و ماہ بھی دیکھ چکا ہوں راہ میں | در پہ جو تیرے آگیا اب نہ کہیں سے مجھے اٹھا

اس شعر میں "آگیا" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے، کہ عمداً نہیں بلکہ پھرتا پھراتا اتفاقیہ آگیا، اسکے بجائے در

تک پہنچ جانے کا ہم مفہوم جملہ ہونا چاہیئے تھا، "اب نہ کہیں سے مجھے اُٹھا" سے اگرچہ مطلب نکل آتا ہے، لیکن اگر اسکے

بجائے "اب نہ یہاں سے تو اٹھا" ہوتا زیادہ مناسب تھا، معنوی نقص یہ ہے کہ گردشِ مہر و ماہ دیکھنا کوئی ایسا

کمال نہیں ہے، جو نہ اٹھانے کا سفارشی بن سکے، اگر گردش کے بجائے جلوہ ہوتا تو زیادہ مناسب

اور معنی خیز ہوتا کہ تیرے آستان تک پہنچنے میں مہر و ماہ کے جلوے بھی نظر آئے، لیکن میں نے اُن

پر نگاہ نہیں ٹھہرائی،

جیسے صہبا کے لئے پردۂ مینا ہونا، | دہر ہی سو وہ نمایاں بھی ہے پنہاں بھی ہے

مصرعِ ثانی میں "ہونا" نہ صرف حشو ہے، بلکہ نہایت ناموزون ہے، اور محض ردیف کی

مجبوری سے لایا گیا ہے،

کہ تو اونچی ہوئی جاتی ہے اب سوزِ محبت کی | جہان کی خیر ہو جانِ حزین کی خیر ہو یارب

لفظی خامی یہ ہے، کہ "لو" "سوز" کی نہیں ہوتی، اس کے لئے شعلہ ضروری ہے، جو سوز کے بعد کا

درجہ ہے، وہ بھی عموماً شمع کے لئے آتا ہے، معنوی اعتبار سے یہ خرابی ہے، کہ ایک عاشقِ جانباز کے لئے

سوزِ محبت کی زیادتی پر جان کی خیر منانا شانِ عشق سے بعید ہے، اس کا تو کام یہ ہے کہ سوزِ عشق میں جل کر

خاکستر ہو جائے، اور منہ سے اُف نہ نکلے،

مانا کہ بوئے گل تو ملے گی گلاب میں، | وہ برقِ رنگ خرمنِ جاں کے لئے کہاں

اس شعر میں برقِ رنگ کی ترکیب معنوی اعتبار سے محلِ نظر ہے، رنگ جلاتا اور خاکستر نہیں کرتا

بلکہ تازگی اور تراوت بخشتا ہے، لیکن اگر بالفرض رنگِ عارض کی خیرہ کن چمک اور عاشق کے دل پر

اس کے تاثر کے لحاظ سے "برقِ رنگ" کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو بھی یہ شعر معنوی نقص سے پاک نہیں، اسلئے کہ یہاں

پر رنگ و بو دونوں پھول کی مراد ہیں، جب شاعر گل سے بُو ملنے کا معترف ہے، تو برقِ رنگ سے کیوں منکر

ہے، جب کہ دونوں میں سے کوئی شے محبوب کی نہیں، بلکہ اس کے برعکس محبوب کے رنگ سے مشابہ رنگ

تو مل سکتا ہے، کیونکہ وہ ایک عارض اور ظاہری شے ہے، البتہ اوس کی بو نہیں مل سکتی، جو اصل جوہر اور معنوی

شے ہے، اس لئے رنگ کا تقابل تو صحیح بھی ہو سکتا ہے لیکن بوئے گل تو محبوب کی بو کے مقابلہ میں لائی ہی نہیں

جا سکتی، ع کہاں وہ اون کا پسینہ کہاں گلاب کی بو،

خود اپنا طرزِ نظر ہے کہ دیکھتا ہوں میں، | کبھی یہ فخر کہ عالم بھی عکس ہے میرا،

اس موقعہ پر "کبھی" کا لفظ تقابل چاہتا ہے، اس لئے مصرع ثانی میں مصرع اول کا مقابل مفہوم ہونا چاہئے لیکن اگر کہیں اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے، تو بھی مصرع ثانی کے الفاظ سے مصرع اوّل کا ثبوت تام نہیں ہوتا اسلئے کہ اپنے طرز نظر سے دیکھنا عالم کے عکس ہونے کا ثبوت نہیں، اسکے بجائے ع خود اپنا پر تو ہے، جو کچھ کہ دیکھتا ہون میں، یا اس کا کوئی اور ہم مفہوم مضمون ہونا چاہئے،

ترے نغمے کی لے اے مطرب آفت نوا کیا ہے　　یہ موج برق ہے یا اک چمک در دِ محبت کی

"اک" کے بجائے "ہے" ہونا چاہئے، اک کے یہاں کیا معنی،

اٹھا رکھا ہے اس نے اپنے جلوے کو قیامت پر　　قیامت ہو وہ جلوہ اسکو کیا حاجت قیامت کی

مصرع ثانی اس طرح ہونا چاہئے، ع قیامت ہے وہ خود ہی اس کو کیا حاجت قیامت کی،

حسن ساقی کا تو مستوں کو ذرا ہوش نہیں　　کچھ جھلک اس کی سر پردۂ مینا دیکھیں

شاعر کا مقصود یہ ہے کہ جمالِ حقیقت کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، اگر دیکھنا ہے تو پردۂ مجاز میں اگی جھلک دیکھ لیں، لیکن طرز ادا کی خرابی سے مستی اور بے ہوشی محرومیِ جمال کا سبب بن گئی ہے، جس سے یہ اعتراض ہوتا ہے، کہ مست و بے خود پردۂ مینا کی جھلک بھی کیسے دیکھ سکتا ہے،

یہ آنا جلوہ بن کر اور پھر میری نظر ہونا　　یہی ہے، دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا

یہ شعر نقص ادا اور ژولیدگی بیان کا بدترین نمونہ ہے، نقص بیان کی وجہ سے اس کا مطلب بھی خبط ہو گیا ہے، شاعر جمال حقیقت کی نیرنگی اور شعبدہ بازی دکھانا چاہتا ہے، کہ جب وہ جلوہ بھی دکھاتا ہے، تو خود ہی نظر بنجاتا ہے، اس کے بعد کہتا ہے کہ جب یہی شعبدہ بازی ہے، تو دید کا لطف بھی تیرا ہی رہا، لیکن اس مفہوم کو ادا کرنے کیلئے جو الفاظ انتخاب کئے گئے ہیں اور ان کی جو ترکیب ہے، اس سے زیادہ غیر فصیح قیاس میں بھی نہیں آسکتے ع:- یہ آنا جلوہ بن کر اور پھر میری نظر ہونا، خیر یہاں تک بھی قابل انگیز ہو لیکن ع یہی ہے دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا، تو معلوم ہوتا ہے کسی افغانی کا کہا ہوا مصرع ہے،

نفی خوبیوں سے قطع نظر اس کے معنی کیا ہوئے "یہی ہے دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا"

تماشا ہے نیاز و ناز کی باہم کشاکش کا　　میں ان کا دل سمجھتا ہون وہ میرا دل سمجھتے ہیں

یہ شعر نقص بیان کی وجہ سے موضوع الفاظ کا مہمل مجموعہ معلوم ہوتا ہے، غالباً اس کا مطلب یہ ہے، کہ یہ ناز و نیاز کی کشاکش کا تماشا ہی، کہ میں ان کا دل اپنا سمجھتا ہون، اور وہ میرا دل اپنا سمجھتے ہیں، لیکن اس شعر کے الفاظ سے یہ مطلب ادا نہیں ہوتا، بلکہ اوس سے محض "دل شناسی" کے ملکہ کا پتہ چلتا ہے، جو نہایت حیرت انگیز ہو

عکس جمالِ یار کا آئینۂ خودی میں ہے،　　یہ غمِ ہجر کیا دیا مجھ سے مجھے چھپا دیا،

اولاً مصرع اولی کا تخیل ہی محلِ نظر ہے، اسلئے کہ خودی میں عکسِ جمالِ یار کی گنجائش کہاں، اسکے لئے تو ترکِ خودی پہلی شرط ہے، اور اگر کسی صوفیانہ خیال میں جس کی مجھے خبر نہیں صحیح بھی مان لیا جائے، تو مصرع ثانی کو اس سے کیا تعلق، اور اس کے کیا معنی غم ہجر سے کوئی شخص اپنے سے چھپ نہیں جاتا،

اب وہی شعلۂ بے تاب ہے رگ رگ میں مری　　پھونکے دیتی تھی کبھی تابشِ مینا مجھکو،

اس شعر کا تخیل نہایت بلند ہے، لیکن عجز بیان کی وجہ سے مطلب واضح نہیں ہوتا، شاعر کا مقصود یہ ہے، کہ کبھی میرا یہ حال تھا، کہ مینا کی تابش تک میری برداشت سے باہر تھی، اور اسکی تابش ہی سے میں پھنکا جاتا تھا، اور اب یہ حال ہے کہ پردۂ مینا کی حجلہ نشیں میری رگ رگ میں شعلۂ بیتاب بنی ہوئی دوڑ رہی ہو

یہ مطلب شعر کے الفاظ سے نہیں نکلتا،

وہ نکہت سے سوا پنہاں وہ گل سے بھی سوا عریان　　یہ ہم ہیں جو کبھی جلوہ کبھی پردہ سمجھتے ہیں،

اس شعر میں دونوں مصرعوں کا مطلب ایکدوسرے کے خلاف پڑتا ہے، جب یہ تسلیم ہے کہ وہ نکہت سے سوا پنہان اور گل سے سوا عریان ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ کبھی پردہ نظر آئے، اور کبھی جلوہ، جلوہ اور پردہ سمجھنے کا الزام دیکھنے والے کے سر کہاں سے عائد ہوتا ہے،

یہ ذوقِ دید کی شوخی وہ عکسِ رنگِ محجوبی　　نہ جلوہ ہے نہ پردہ ہم اسے تنہا سمجھتے ہیں،

اس شعر میں "تنہا" کا لفظ بالکل بے محل اور بے جوڑ ہے، تنہا کہنا اسوقت صحیح ہوتا جب پردے اور جلوے کی حیثیت دوئی کی ہوتی، حالانکہ یہ دونوں کیفیتیں ہیں، انھیں یکتائی اور دوئی سے کوئی علاقہ نہیں،

نظارۂ پُرشوق کا اک نام ہے جینا مرنا اسے کہئے کہ گذرتے ہیں ادھر سے

اس شعر میں لفظی نقص یہ ہے، کہ "اک" حشو ہے، معنوی خرابی یہ ہے، کہ جب جینا نام ہے نظارۂ پرشوق کا تو مرنا اس کے مقابلہ میں محرومی کا نام ہونا چاہئے، لیکن مصرع ثانی سے اس کے برعکس مطلب نکلتا ہے، کیونکہ معشوق کے ادھر سے گذرنے سے نظارۂ شوق کے اور مواقع پیدا ہوتے ہیں، اور اگر گذرنا "چلے جانے" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے، تو یہ درست نہیں،

تا بکے آخر ملالِ شامِ ہجران دیکھئے، نالۂ نے کی طرح اُڑ کر نیستان دیکھئے

تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہ شعر مثنوی مولانا روم کے مشہور ابتدائی اشعار سے ماخوذ ہے لیکن اس ترمیم نے اسکی تمثیلی خوبی غارت کردی، نالہ اڑکر نیستان نہیں دیکھتا، کہ اسے وصل سے تعبیر کیا جائے، بلکہ وہ تو فضا میں تحلیل ہوجاتا ہے،

دکھائی صورتِ گل پر بہارِ شوخیِ پنہان چھپایا معنیِ گل مین کبھی حسنِ نمایان کو

اس شعر میں متصوفانہ نکتہ آفرینی کے علاوہ کوئی واقعی معنی نہیں نظر آئے، سوائے اس کے کہ اس میں متضاد کیفیتیں، "صورتِ گل" "معنیِ گل" "شوخیِ پنہان" "حسنِ نمایان" "چھپانا" "دکھانا" وغیرہ متجانس الفاظ جمع کردیئے گئے ہیں، اور کوئی خوبی نہیں معلوم ہوتی، صورتِ گل میں شوخیِ پنہاں کو دکھانے اور معنیِ گل میں حُسنِ نمایاں کو چھپانے کا مطلب کیا ہوا،

اس کے سوا تو معنیِ مجنون بھی کچھ نہیں ایسا بھی ربط صورتِ لیلیٰ نہ چاہئے،

پہلے شعر میں تو کھینچ تان کر معنی پہنچائے بھی جاسکتے ہیں، لیکن یہ شعر اس سے بھی بے نیاز و خالص صوفیانہ چیستان ہے، اسی قبیل کا یہ شعر ہے،

کائناتِ دہر کیا روح الامین بیہوش تھے زندگی جب مسکرائی ہے قضا کے سامنے

قضا کے سامنے زندگی کے مسکرانے کا مطلب اور اسکی وجہ کیا ہوئی، ممکن ہے اسکی یہ صوفیانہ توجیہ ہو کہ سالکینِ راہِ حقیقت کی موت وصلِ حبیب کا پیام ہوتی ہے اس لئے انکی زندگی قضا کا جو وصل کا دیباچہ ہے مسکرا کر استقبال کرتی ہے لیکن الفاظ سے شاعر کا یہ منشا نہیں معلوم ہوتا بہرحال اگر اسے مان بھی لیا جائے تو اس پر کائناتِ دہر اور روح الامین کی بیہوشی کو کیا معنی؟

رشکِ صد ایمان ہے اصغر میرا طرزِ کافری میں خدا کے سامنے ہوں بت خدا کے سامنے

اس شعر میں بھی "بت" "خدا" "کفر و ایمان" کے متضاد اور متجانس الفاظ کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں معلوم ہوتا، بت اور بت پرست کا خدا کے سامنے ہونا رشکِ صد ایمان کہاں سے ہوگیا، بلکہ یہ تو اور اشد کفر او نفاق ہوا،

ہم نے نمونہ کے طور پر محض تھوڑے سے اشعار نقل کئے ہیں، ورنہ اس مختصر مجموعہ میں اس قبیل کے اشعار بکثرت ہیں، طرزِ ادا کے نقص سے تو انکے بہت کم اشعار خالی ہیں، امید ہے کہ اصغر صاحب آیندہ اپنی شاعری کے "بادہ ناب" میں پردۂ مینا کی شفافیت کی جانب بھی پوری توجہ رکھا کرینگے، ان کے جیسے بلند مرتبہ شاعر کیلئے اس قسم کے استعام زیبا نہیں ہیں، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کا یہ شعر کہیں واقعی صحیح نہ ثابت ہو جائے،

مائلِ شعر و غزل پھر ہے طبیعت اصغر ابھی کچھ اور مقدر میں ہے رسوا ہونا

فارسی کا کلام نہایت مختصر بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، خیالات کے اعتبار سے یہ کلام بھی اردو کلام ہی پایہ کا ہے، لیکن زبان میں فارسیت نہیں ہے، فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے:-

آرزو بنگر تراشِ شوقِ من جان آفرین شب معاذ اللہ ہمیں مخلوق من معبود بود

در حریمِ عشق یک رمزِ حیات آموختند بے زیان سودے کہ من می خواستم بے سود بود

جہانے را بتیش بخشم جہانے را بوجد آرم، دریں خاکسترِ حسن شرارے کردہ ام پیدا

بسے روحانیان را در کمندِ شوق آوردم براوجِ عرشِ اعلیٰ ہم شکارے کردہ ام پیدا

زلا "تسخیر کردم این جہانِ ماہ و انجم را زجوشِ بندگی پروردگارے کردہ ام پیدا

تصوف کی اجمالی تاریخ اور اس پر نقد و بحث

از مولانا عبد السلام ندوی

(۶)

غذا

صوفیہ تقلیل غذا کے لئے عجیب عجیب طریقے اختیار کرتے تھے چنانچہ بہت سے لوگ برابر بھوکے رہتے تھے، صرف اسوقت کھاتے تھے، جب ضعف محسوس ہوتا تھا، بعض صوفیہ اس قدر کم کھاتے تھے، جس سے جسم کی طاقت قائم نہیں رہ سکتی تھی، حضرت سہل بن عبد اللہ تستری ابتدائی ریاضت میں ایک درہم کی کھجور، دو درہم کا گھی اور ایک درہم کا چاول کا آٹا خریدتے تھے، اور ان سب کو ملا کر تین سو ساٹھ گولیاں بنا لیتے تھے، اور روز ایک گولی سے افطار کرتے تھے، انھوں نے تین سال تک بھوسی پر گذر اوقات کی تین درہم میں تین سال بسر کر دئیے اور مدتوں درخت کی پتیاں کھاتے تھے، ایک صوفی کا بیان ہے کہ میں نے ۴ سال تک کچھ نہیں کھایا، بجز اسوقت کے جب مردار کھانا انسان کے لئے حلال ہو جاتا ہے، ایک صوفی نے جو تین دن تک بھوکا رہ چکا تھا، ایک خربزہ کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھایا، دوسرے صوفی نے ڈانٹا کہ تم خربزے کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہو، تصوف تمہارے لئے مناسب نہیں، عبد اللہ بن خفیف چالیس مہینے تک صرف تھوڑے سے باقلا پر افطار کرتے رہے، انھوں نے ایک شخص کو حکم دیا تھا کہ ان کے افطار کیلئے روزانہ دس دانے منقے کے لایا کرے، ایک دن وہ پندرہ دانے لایا تو اسکو تنبیہ کی، اور صرف دس دانے کھائے، اور بقیہ چھوڑ دیے،

بہت سے صوفیہ کو لذیذ غذاؤں سے اجتناب تھا، چنانچہ ان میں بعض صوفیہ کا قول تھا، کہ درہم بھر گوشت کھانا بھی چالیس دن تک دل کو سخت رکھتا ہے، بعض صوفیہ ٹھنڈے پانی کے بجائے گرم پانی پیتے تھے، بعض صوفیہ صاف پانی نہیں پیتے تھے، اور بعض تو سرے سے پانی ہی نہیں پیتے تھے، ابو یزید نے نفس سرکش

کے رام کرنے کیلئے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ایک سال تک نہ پانی پئیں گے، نہ سوئیں گے،

ابو طالب مکی نے صوفیوں کی غذا کا ایک ضابطہ مرتب کیا ہے، جس میں بیان کیا ہے، کہ مرید کو رات دن میں صرف دو روٹیاں کھانی چاہئیں، ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "ریاضۃ النفوس" ہے، اس میں لکھا ہے، کہ مبتدی کو متصل دو مہینے تک روزہ رکھنا چاہئے، پھر افطار کرے تو تھوڑا تھوڑا ملا روٹی کا ایک ٹکڑا کھائے، اور شوربہ، میوہ، دوست احباب کی صحبت اور کتابوں کا مطالعہ چھوڑ دے، کیونکہ یہ سب دل بہلانے کی چیزیں ہیں، اسلئے نفس کو لذت کے بجائے غم کا خوگر کرے،

بعض متاخرین نے اربعینیہ ایجاد کی یعنی ۴۰ دن تک صوفی کو روٹی نہیں کھانا چاہئے، بلکہ شربت اور لذیذ میووں پر زندگی بسر کرنا چاہیے،

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، اور محدث ابن جوزی نے ہر ایک کی الگ الگ تردید کی ہے، لیکن ان سب کا خلاصہ یہ ہے، کہ یہ تمام سختیاں:-

۱- سنت کے خلاف ہیں، خود رسول اللہ صلعم کو شہد اور شیریں چیز بہت مرغوب تھی، گوشت نہایت رغبت سے کھاتے تھے، صاف اور شیریں پانی کا سخت اہتمام تھا،

۲- تقلیل غذا صحت کیلئے سخت مضر ہے، بالخصوص اس سے نوجوانوں کی صحت پر سخت مضر اثر پڑتا ہے، ردی اور خشک غذاؤں کے کھانے سے قولنج، جنون، اور وسوسہ وغیرہ پیدا ہوتا ہے،

۳- بہت سے صحابہ نے متصل روزے رکھنا شروع کئے، گوشت کھانے سے احتراز کرنا چاہا، اور لذائذ دنیوی سے علٰحدگی اختیار کرنی چاہی لیکن رسول اللہ صلعم نے منع فرمایا،

لیکن یہ قدمائے صوفیہ کی حالت تھی، متاخرین صوفیہ نے اسکے بالکل برعکس صرف خورد و نوش کو اپنا مطمح نظر بنا لیا تھا، اور عبادت و ریاضت کے بجائے صرف کھانے پینے، اور لہو و لعب میں مصروف رہتے تھے،

عزلت گزینی

سلف میں بہت سے برگزیدہ بزرگ ایسے تھے، جنھوں نے علم کی خدمت اور خداوند تعالیٰ کی

عبادت کے لئے عزلت گزینی اختیار کرلی تھی، لیکن باین ہمہ جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے تھے، مریضوں کی عیادت کرتے تھے، جنازوں میں شریک ہوتے تھے، صرف تنہائی اس لئے اختیار کی تھی کہ برائیوں اور بدکاریوں سے محفوظ رہیں، صوفیہ نے اسی روش کو ترقی دی، اور پہاڑوں اور غاروں میں رہبانون کی طرح تنہائی میں رہنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ اون کو جمعہ و جماعت اور اہل علم کی صحبت سے محروم رہنا پڑا، لیکن یہ صرف بعض لوگوں کی حالت تھی، ورنہ عام طور پر صوفیہ کسب و تجارت کو چھوڑ کر خانقاہوں میں رہتے تھے اور حضوری مسجد کے ثواب کو بالائے طاق رکھدیا تھا، امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں، کہ ریاضت کا مقصد دل کو ہر چیز سے خالی کرنا ہے، اور یہ صرف اسوقت ہو سکتا ہے، جب ایک تاریک مکان مین خلوت گزینی اختیار کی جائے، لیکن اگر تاریک مکان نہ مل سکے، تو سر کو جبہ میں لپیٹ لینا چاہئے، یا کمل یا تہ بند اوڑھ لینا چاہئے، اسی حالت میں انسان صدائے حق سنتا ہے، اور جلال الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے، لیکن یہ سب خواب و خیال کی باتیں ہیں، بالخصوص جو لوگ تقلیل غذا کرتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ وسوسے اور زیادہ پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ تقلیلِ غذا سے انسان کی دماغی حالت خراب ہو جاتی ہے، احدیث میں بھی اس قسم کی عزلت گزینی کی ممانعت آئی ہے، ایک صحابی رسول اللہ صلعم کیساتھ شریک جہاد تھے، راستے میں اونھوں نے ایک غار دیکھا، جسمیں پانی تھا، اور اس کے اردگرد روئیدگی تھی، دل میں آئی کہ دنیا سے الگ ہو کر اسی میں رہ پڑیں، اسی کا پانی پئیں، اور آس پاس کی گھاس پات پر گذر اوقات ہو، رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، تو فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت کو لیکر مبعوث نہیں ہوا ہوں، میری بعثت ایک سیدھے اور نرم دین پر ہوئی ہے، اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جہاد کیلئے سفر کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور صفِ جہاد میں تملوگوں کا ٹھہرنا ایک سال کی نماز سے بہتر ہے،

خشوع و خضوع اسمیں شبہہ نہیں کہ جب انسان کے دل پر خوفِ الٰہی مستولی ہو جاتا ہی، تو اوس کا اثر

اس کے اعضاء و جوارح سے بھی ظاہر ہوتا ہے، مثلاً گردن جھک جاتی ہے، مسکینیت کا اظہار ہوتا ہے، اور سخت باادب بن جاتا ہے، لیکن قدماء اس حالت کا اخفا کرتے تھے، چنانچہ محمد بن سیرین دن کو ہنستے تھے، اور رات کو روتے تھے، عوام کے سامنے اگرچہ ایک عالم کو ہر حالت میں باوقار، سنجیدہ اور متین رہنا چاہئے، لیکن اس غرض سے کہ لوگ زاہد سمجھیں، مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھائین، ہاتھ چومیں، اور طالب دعا ہوں، گریہ و بکا کرنا، سر جھکائے رکھنا اور یہ تصنع خشوع و خضوع کا اظہار کرنا مذموم ہے، چنانچہ ایک بار حضرت ابراہیم نخعی سے دعا کرنے کیلیے کہا گیا، تو اونھوں نے اسکو ناپسند کیا، لیکن ان صوفیہ مین بعض لوگ ایسے تھے، جو آسمان کی طرف نظر نہین اٹھاتے تھے، حالانکہ کوئی شخص رسول اللہ صلعم سے زیادہ خشوع کا دعوی نہیں کرسکتا، اور آپ جیساکہ صحیح مسلم میں ہی، اکثر آسمان کی طرف آنکھ اٹھا اٹھا کر دیکھا کرتے تھے، خود خداوند تعالی فرماتا ہی،

اولو یروا الی السماء فوقھم کیف بنیناھا.	کیا وہ لوگ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسکو کیونکر بنایا ہے،

خود صحابۂ کرام نہایت زندہ دل تھے، اپنی مجلسوں میں شعر پڑھتے تھے، اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے، البتہ جب کوئی دینی معاملہ پیش آجاتا، تو اپنی ہنسی کو بھول جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک جوان کو سر جھکائے دیکھا، تو فرمایا، کہ سر اوٹھاؤ، کیونکہ خشوع قلب کی کیفیت میں کوئی اضافہ نہین کرسکتا، بلکہ جس شخص نے اوس سے زیادہ خشوع کا اظہار کیا، جتنا اوس کے دل میں ہے، تو اوس نے نفاق پر نفاق کا اظہار کیا، ایک شخص نے غمزدہ ہو کر ان کے سامنے ٹھنڈی سانس بھری، تو اونھون نے اسکو طمانچہ مارا، حضرت شفا بنت عبداللہ رضؓ نے چند نوجوانون کو دیکھا کہ آہستہ آہستہ چلتے ہیں، اور آہستہ آہستہ بولتے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ زاہد ہیں، بولیں کہ حضرت عمرؓ سچے زاہد تھے، لیکن آواز بلند بولتے تھے، اور تیزی کیساتھ چلتے تھے،

سلف کا دستور یہ تھا کہ اپنے حالات کو چھپاتے تھے، حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ میرے جو اعمال ظاہر ہو جاتے ہیں، میں ان کو شمار میں نہیں لاتا، اونھوں نے اپنے ایک شاگرد کو نماز پڑھتے دیکھا، تو کہا کہ تم کسقدر دلیر ہو، کہ نماز پڑھتے ہو، اور لوگ دیکھ رہے ہیں، حضرت ابو امامہ رضؓ نے ایک شخص کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو کہا "کاش یہ سجدہ تمھارے گھر میں ہوتا"؛

تجرد، قدمائے صوفیہ میں متعدد لوگ اسلئے نکاح نہیں کرتے تھے کہ اس سے عبادت میں خلل واقع ہوتا تھا اور بعض لوگ اسکو صرف دنیوی میلان کا نتیجہ سمجھتے تھے، لیکن نوجوان صوفیہ کی صحت و اخلاق پر اسکا مضر اثر پڑتا تھا انھی اسباب سے رسول اللہ صلعم نے نکاح کو سنت قرار دیا، اور تجرد و عزوبت کی ممانعت فرمائی چنانچہ متعدد صحابہ نے آپ سے تجرد کی اجازت چاہی لیکن آپ نے ان کو منع فرمایا، ایک دولتمند صحابی کی نسبت جب آپ کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس بیوی نہیں ہے، تو فرمایا کہ تم شیطان کے بھائی ہو، اگر تم عیسائی ہوتے، تو راہب ہوتے، ہماری سنت نکاح ہے؛ ایک بار آپ نے فرمایا کہ تمھارا بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے، صحابہ کو اس پر تعجب ہوا، اور کہا کہ کیا یہ بھی کار ثواب ہو سکتا ہے؟ فرمایا اگر وہ حرامکاری کرتا تو کیا گناہ نہ ہوتا، صحابہ نے کہا ضرور ہوتا، ارشاد ہوا تو اسی طرح جائز طریقہ میں بھی ثواب ہے، امام غزالی فرماتے ہیں، کہ جو مرید نکاح کرے گا، وہ بیوی سے مانوس ہو جائیگا، اور جو شخص خدا کے سوا کسی اور سے مانوس ہوگا، وہ خدا سے روگردانی کریگا، لیکن خود خداوند تعالیٰ کہتا ہے:-

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا (روم)

تمھارے لئے خود تمھیں میں سے بیبیاں پیدا کیں، تاکہ تم لوگ اون سے سکون

جب رسول اللہ صلعم ازواج مطہرات سے شگفتہ دلی کیساتھ ملتے تھے، تو کیا، خدا کیساتھ آپ کا انس قائم نہیں رہتا تھا؟

بعض صوفیہ اولاد کو ایک دینی اور دنیوی مصیبت سمجھتے تھے، سلیمان دارانی کہتے ہیں، کہ اولاد

کا خواہشمند احمق ہے، نہ دین کا نہ دنیا کا، اولاد کھانے پینے سب کا لطف کھو دیتی ہے، اور عبادت میں خلل انداز ہوتی ہے، لیکن خود رسول اللہ صلعم نے اولاد پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے

تناكحوا، تناسلوا فانى اباهى بكم الامم يوم القيامة ولو بالسقط،

نکاح کرو، اولاد پیدا کرو کیونکہ میں تمھارے ذریعہ سے قیامت کے دن اور قوموں پر فخر کرونگا، گو وہ ادھوری (اولاد کیوں نہ ہو)

انبیا تک نے اولاد کی خواہش کی ہے، ایک پیغمبر کی دعا ہے:-

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً

خداوندا! مجھ کو اپنے پاس سے پاک اولاد دے،

جو شخص اولاد کی پرورش کرتا ہے، اور اونکے مرنے پر صبر کرتا ہے، اپنے مرنے کے بعد اولاد چھوڑ جاتا ہے احادیث میں اسکے لئے ثواب کی بشارت دیگئی ہے،

سیاحت، صوفیانہ زندگی کا ایک لازمی جزو سیاحت تھی، اور اس سیاحت کے حسب ذیل خصوصیات تھیں

۱- صوفیہ بغیر کسی مقصد کے سفر کرتے تھے، اور اوس سے کوئی خاص شہر یا خاص مقام تک جانا مقصود نہ تھا، (۲) تنہا سفر کرتے تھے (۳) راتوں کو تنہا سفر کرتے تھے (۴) توکل کے خیال سے زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے

لیکن یہ تمام باتیں شریعت کے خلاف ہیں، اگرچہ قرآن مجید میں بھی "السائحون" مسلمانوں کا ایک خاص وصف قرار دیا گیا ہے، لیکن مفسرین کے نزدیک اس سے روزہ یا سفر جہاد، سفر ہجرت، سفر بغرض طلب علم، اور سفر حج مراد ہے، اور صوفیہ کے سفر کی یہ خصوصیات قرآن مجید میں مذکور نہیں، بلا قصد سفر کرنا بنو اسرائیل کے عبادتگذار لوگوں کا طریقہ تھا، اسلام نے اسکی ممانعت کی ہے، چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے سیاحت کی اجازت چاہی تو آپنے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے،

علم سے بے نیازی، متاخرین صوفیہ کی تمام گمراہیوں کا اصلی سبب یہ تھا کہ انھوں نے علم یعنی قرآن و حدیث کی

تعلیم سے بالکل روگردانی اختیار کرلی تھی، جسکے متعدد وجوہ تھے،

۱۔ ایک تو یہ کہ قدیم زمانے میں قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے سخت مشقتیں اوٹھانا پڑتی تھیں، اور دور دراز ممالک کا سفر کرنا پڑتا تھا، اس تکلیف سے بچنے کے لئے صوفیہ نے گدڑی پہن لی، اور خانقاہوں میں بیٹھ کر بیکاری کی زندگی بسر کرنے لگے، یہی وجہ ہے، کہ امام شافعی نے فرمایا ہے، کہ تصوف کی بنیاد کاہلی پر قائم ہے،

۲۔ دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث کے علم کیلئے مسلسل اسناد ورواۃ کی ضرورت تھی، لیکن بہت سے صوفیہ کہتے تھے، کہ ہمکو علم بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے یعنی الہام کے ذریعہ سے،

۳۔ تیسرے یہ کہ بہت سے صوفیہ کے نزدیک مقصود صرف عمل تھا، اسلئے وہ علم کو بیکار سمجھتے تھے، حالانکہ طلب علم خود ایک بہترین عمل ہے،

۴۔ چوتھے یہ کہ علم کی دو قسمیں تھیں، علم ظاہر اور علم باطن، قرآن وحدیث کو وہ علم ظاہر سمجھتے تھے، اور اپنے کشوف وخیالات کو علم باطن اور اسی کو اصلی علم سمجھتے تھے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسکے متعلق ایک اصل روایت بھی نقل کرتے تھے، بعض صوفیہ کا قول ہے کہ قرآن ایک حجاب ہے، رسول ایک حجاب ہے، اصل چیز صرف بندہ اور خدا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ علم کو حجاب اکبر کہتے تھے، شریعت وحقیقت کی تفریق بھی اسی اصول پر ہے،

۵۔ علم حدیث میں جرح وتعدیل کے روسے بہت سے لوگوں کی پردہ دری کرنی پڑتی تھی، اور اس کو صوفیہ غیبت سمجھتے تھے، چنانچہ ایک محدث نے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو ثقہ قرار دیا، تو ایک بڑے صوفی نے کہا کہ عالموں کی غیبت نہ کرو، ایک بار عبدالرحمن بن ابی حاتم شاگردوں کو کتاب الجرح والتعدیل پڑھکر سنا رہے تھے، اس پر یوسف بن حسین نے کہا کہ سینکڑوں برس گذر چکے کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوچکے، اور تم دنیا میں ان کی غیبت کررہے ہو،

ان اسباب سے صوفیہ نے قرآن وحدیث کی تعلیم بالکل چھوڑدی تھی، اور الہامی علوم پر قناعت کرلی تھی، چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں، کہ صوفیہ کا میلان الہامی علوم کی طرف ہے، تعلیمی علوم کی طرف نہیں، اسلئے اونھون نے تعلیم نہیں حاصل کی، اور مصنفین کی کتابوں کو نہیں پڑھا، بلکہ اون کا طریقہ یہ ہے، کہ برے اوصاف کے مٹانے کے لئے سب سے پہلے مجاہدہ کرنا چاہئے، اور سب سے قطع تعلق کرکے صرف خدا کی طرف متوجہ ہوجانا چاہئے، یعنی یہ کہ انسان، اہل وعیال، دولت ومال اور علم وفن سے قطع تعلق کرکے ایک گوشے میں تنہا بیٹھ جائے، اور صرف فرائض وسنن ادا کرتا رہے، نہ قرآن پڑھے، نہ حدیث وغیرہ لکھے محض اللہ اللہ کہتا رہے، یہاں تک کہ زبان ہلانا بھی چھوڑ دے، پھر دل سے اس لفظ کی صورت بھی مٹادے،

احیاء العلوم میں ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ربوبیت کے بعض اسرار ایسے ہیں کہ اگر کھل جائیں تو نبوت باطل ہوجائے، اور نبوت کے بعض اسرار ایسے ہین، کہ اگر کھل جائین، تو علم باطل ہوجائے، اور خداشناس علماء کے بعض اسرار ایسے ہیں کہ اگر اون کو وہ ظاہر کردیں تو تمام احکام باطل ہوجائیں، اس طریقہ اور اس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ صوفیہ خود قرآن وحدیث کی تعلیم نہیں حاصل کرتے تھے، بلکہ جن لوگون نے حدیثین لکھی تھیں، اونھوں نے اپنے اپنے مجموعۂ احادیث کو ضائع کردیا، بہت سے صوفیہ لوگوں کو علم حدیث حاصل کرنے سے روکتے تھے، اور قرآن وحدیث کے متعلق عجیب عجیب تاویلات کرتے تھے،

محدثین کو الہامی علوم سے انکار نہیں ہے، لیکن کوئی الہامی علم اوس وقت تک قابل عمل نہیں ہوتا جب تک وہ شریعت کے موافق نہ ہو، اس لئے الہامی علوم کی جانچ پڑتال کیلئے سب سے پہلے شرعی علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے،

شکلیات، علم قلب میں خوف وانکسار پیدا کرتا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ، خدا کے بندوں میں سے خدا سے صرف وہ لوگ ڈرتے ہیں، جو عالم ہیں،

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں:-

إِنَّا أَعْرَفُكُمْ بِاللّٰهِ وَأَشَدُّكُمْ — میں تم میں سب سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں

بہ خشیتہ — اور تم میں سب سے زیادہ اوس سے ڈرتا ہوں،

صحابۂ کرام اور تابعین میں بھی خوف غالب تھا، اور اسی قسم کے تواضع وانکسار کی باتیں کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضہ کا قول ہو کہ کاش میں مسلمان کے سینے کا بال ہوتا حضرت عمر رضنے موت کے وقت فرمایا "اگر عمر کی مغفرت نہ ہو تو اوس پر افسوس ہے" حضرت ابن مسعودؓ کہتے تھے، کہ "مرنے کے بعد کاش میں نہ اٹھایا جاتا" حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں، کاش میں خواب فراموش ہو جاتی حضرت سفیان ثوری رحنے موت کے وقت حماد بن سلمہ سے کہا کہ تم کو توقع ہے، کہ مجھ جیسا شخص بخش دیا جائے گا، یہ جو کچھ تھا قوتِ علم کا نتیجہ تھا، لیکن صوفیہ نے چونکہ علم سے روگردانی اختیار کرلی تھی، اسلئے بالکل اس کے برعکس نہایت متکبرانہ دعوی کرتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ابویزید بسطامی رحنے فرمایا کہ اگر قیامت آئے تو میری خواہش یہ ہے کہ میں جہنم کے اوپر اپنا خیمہ کھڑا کروں ایک شخص نے سوال کیا "کیوں"؟ بولے اسلئے کہ مجھے یقین ہے کہ جہنم جب مجھے دیکھے گا، تو اسکی آگ بجھ جائے گی اور میں مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤں گا، اونھیں کا قول ہے کہ "دوزخ کیا چیز ہے؟ اگر میں اوسکو دیکھوں گا، تو اپنی گدڑی کے ایک کنارے سے بجھا دوں گا" حالانکہ قرآن وحدیث میں دوزخ کے بڑے بڑے خوفناک مناظر دکھائے گئے ہیں، اور ان سے ملائکہ، انبیا اور صحابہ تک کے دل دہل گئے ہیں،

ایک بار کچھ لوگ حضرت شبلیؒ سے ملنے کو آئے، جب چلنے لگے، تو انھوں نے فرمایا کہ "جاؤ جہاں تم لوگ ہو گے، میں تمھارے ساتھ ہوں گا، اور تم میری حفاظت میں رہوگے" اس قسم کے اقوال اور صوفیہ کی نسبت بھی مذکور ہیں، اور کرامات کے دعوی بھی اسی قسم میں داخل ہیں،

مجاہدہ اور ریاضت کی بے اعتدالی، اسلام ایک آسان مذہب ہے، اس لئے اوس نے ہر چیز میں اعتدال پیدا کیا ہے، لیکن صوفیہ مجاہدہ وریاضت میں اس قسم کی بے اعتدالیاں کرتے تھے، جو شریعت کے بالکل مخالف

ہوتی تھیں، ابن ابی الکثریؒ حضرت جنید بغدادی رحکے استاد تھے، ایک بار ان کو نہانے کی ضرورت ہوئی بدن پر نہایت موٹی گدڑی تھی، اور سخت سردی پڑ رہی تھی، دجلہ کے کنارے آئے تو سردی کے خوف سے پانی میں گھسنے کی ہمت نہ پڑی، انھوں نے نفس کی اس سرکشی کا یہ علاج کیا کہ گدڑی سمیت پانی میں کود کر غوطہ لگایا، اور باہر نکلے تو یہ عہد کرلیا کہ جب تک گدڑی خود خشک نہ ہو جائگی، بدن سے نہ اتاروں گا، چنانچہ ایک مہینے تک خشک نہیں ہوئی،

ایک شخص کا بیان ہو کہ میں نے حضرت نوری کے پاؤں پھولے ہوئے دیکھے، وجہ پوچھی تو بولے کہ میں نے نماز پڑھنی چاہی، تو نفس نے انکار کیا، اسلئے یہ نذر مان لی کہ تشہد کے سوا زمین پر نہ بیٹھوں گا، اسلئے کھڑا رہا، اور یہ ورم اوسی کا نتیجہ ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہو کہ بعض شیوخ ابتداء میں نماز کے لئے کھڑے ہونے میں کاہلی ظاہر کرتے تھے، اسلئے انھوں نے رات بھر سر کے بل کھڑے ہونے کا التزام کیا، بعض لوگوں نے مال کی محبت دل سے اس طرح نکالی، کہ اسکو دریا میں پھینک دیا، کیونکہ اگر لوگوں کو تقسیم کرتے، تو اس سے فیاضی کے غرور وریاکارانہ نمایش کا خوف تھا، بعض لوگ خوگر حلم ہونے کیلئے اجرت پر لوگوں کو مقرر کرتے تھے، کہ مجمع عام میں اُن کو گالیاں دیں، بہادر بننے کیلئے بعض لوگ سخت طغیانی کی حالت میں سردی کے زمانہ میں دریا کا سفر کرتے تھے، اونھوں نے اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں، مثلاً اگر مبتدی کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو، تو شیخ کو چاہئے کہ اوس سے لیکر وجوہ خیر میں صرف کردے، اگر اوس میں غرور ہو تو اس سے بازار میں بھیک منگوائے، اگر وہ بیکار رہنا چاہے، تو اس سے جھاڑو دلوائے، اور باورچی خانے میں کام لے، لیکن اس قسم کی تمام باتین جو خودی کے مٹانے کیلئے کیجاتی ہیں، شریعت کے خلاف ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ "مسلمان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے" حضرت حذیفہ رضہ کا جمعہ قضا ہو گیا، اس لئے جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ جمعہ پڑھکر لوٹ رہے ہیں، تو چھپ گئے "تاکہ لوگوں کی نگاہ میں سبک نہ ہوں" صوفیہ کا ایک خاص گروہ ملامتیہ ہے، وہ برے کام اسلئے کرتا ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں سبک ہو کر رہ جائے

ریاسے محفوظ رہے، لیکن شریعت نے فطری جاہ پرستی کو نہیں مٹایا ہے، بلکہ اوس کے قائم رکھنے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی برا کام کر بیٹھے، تو اوس کو چاہئے، کہ خدا کے پردہ میں چھپ جائے"

یہ تو اُن لوگوں کا حال تھا، جو ریاضت و مجاہدہ میں اس قدر غلو کرتے تھے، لیکن اس کے مقابلے میں فرقہ اباحیہ کے لوگ جن کی مختلف قسمیں تھیں، تصوف کے حلقہ میں داخل ہوگئے، اور چند شبہات پیدا کر کے تمام اعمال و عبادات کی پابندی ترک کردی، اور حصول لذت میں مصروف ہوگئے، ان لوگوں نے جن شبہات کی بنا پر ایسا کیا تھا، وہ حسب ذیل ہیں،

۱- تقدیر الٰہی میں جو کچھ لکھا جا چکا، اوس کے خلاف نہیں ہو سکتا، جن کی قسمت میں سعادت لکھی جا چکی وہ شقی نہیں ہو سکتے، اور جو شقی لکھے جا چکے، وہ سعید نہیں ہو سکتے، اس لئے تمام اعمال و عبادات بیسود ہیں،

۲- خدا ہمارے اعمال سے بے نیاز ہے، اور اس پر اونکا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا،

۳- خدا کی رحمت عام ہے اور اسمیں ہم لوگ بھی شامل ہیں،

۴- ریاضت و مجاہدہ کا مقصد تزکیۂ باطن ہے، لیکن تمام اوصاف رذیلہ سے نفس کا تزکیہ ناممکن ہے اسلئے ریاضت و مجاہدہ بے کار چیز ہے،

۵- اور جن لوگوں کو ریاضت کے بعد صفائی باطن حاصل ہو جاتی ہے، انکے لئے شریعت کی پابندی غیر ضروری ہے، شریعت صرف عوام کیلئے ہے، اور یہ لوگ خاصان خدا ہیں،

یہ لوگ اگرچہ صوفی نہیں تھے، تاہم آگے چل کر تصوف پر اس کا اثر پڑا، اور اس قسم کے بہت سے لوگ پیدا ہوگئے، جو شرعی اوامر و نواہی کی پابندی نہیں کرتے تھے، اور بے قید کہے جاتے تھے، حافظ و خیام کا کلام درحقیقت انہی شبہات کی آواز بازگشت ہے،

تلخیص و تبصرہ

کیمیا پر ایک قدیم چینی رسالہ،

عنوان بالا سے پروفیسر پارٹنگٹن (J. R. Partington) کا ایک مضمون نیچر (۲۴ اگست ۳۵ء) میں شائع ہوا ہے، جسمیں موصوف نے ایک قدیم چینی رسالہ کے ذکر کے ساتھ چین میں کیمیا کی نشوونما پر بھی کچھ معلومات پیش کئے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

کیمیا پر قدیم ترین چینی رسالوں میں ایک رسالہ ٹسان ٹنگ چی (Tsan Tung Chi) ہے جسکا مصنف وائی پو یانگ (Wei Po Yang) ہے، وائی پو یانگ چینی کیمیا کا موجد کہا جاتا ہے، اس کے رسالہ کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ چینی زبان کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو تمام تر اسی موضوع پر لکھی گئی ہے، اگرچہ اس سے پہلے کی لکھی ہوئی اور تصنیفیں بھی موجود ہیں جنمیں اور مضامین کے ساتھ کیمیا کا بھی ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، رسالہ ٹسان ٹنگ چی کی تصنیف کے وقت کیمیا سے متعلق وسیع روایات موجود تھیں، اس رسالہ میں اس سے پیشتر کے چند کیمیاگروں کا بھی ذکر ہے، جن کے حالات یا تو خود انہی کی کتابوں میں ملتے ہیں یا چین کی تاریخی کتابوں میں درج ہیں، لہذا یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وائی پو یانگ سے دو تین صدی پہلے اہل چین نے کم قیمت دھاتوں سے سونا بنانے کی کوشش شروع کردی تھی، نہ اس لئے کہ سونا بذات خود ایک قیمتی شے ہے بلکہ اس تخیل کی بنا پر کہ مصنوعی سونا زندگی کے بڑھانے میں جادو کا اثر رکھتا ہے، یہی عقیدہ قدیم مصر میں بھی پایا جاتا تھا، اہل چین کا خیال تھا کہ مصنوعی سونا شنجرف سے بنایا جا سکتا ہے اور اسے وہ قدرتی سونے سے زیادہ قوی سمجھتے تھے،

مصر کے ماہرین کیمیا کی قدیم ترین تصنیفات کی نسبت جو یونانی زبان میں موجود ہیں، خیال کیا جاتا ہے

کہ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں کی لکھی ہوئی ہیں، چونکہ وائی پویانگ کا زمانہ دوسری صدی عیسوی ہے اور
چونکہ اس سے دو تین صدی پیشتر کی چینی تاریخوں میں کیمیاگروں کا ذکر موجود ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ چین اور
یونانی مصر میں کیمیا کی ابتدا تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئی، دونوں ملکوں کی قدیم ترین علوم تصنیفات کا زمانہ
قریب قریب ایک ہی ہے اور دونوں جگہ ان قدیم ترین تصنیفات میں ان سے بھی قدیم تر تصنیفات اور روایات
کا ذکر موجود ہے، لہذا موجودہ معلومات کی بنا پر اس امر کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ مصر اور چین میں کیمیا کی ابتدا
علحدہ علحدہ ہوئی یا نہیں، اور اگر علحدہ علحدہ ہوئی تو ان میں سے کون زیادہ قدیم ہے؟

وائی پویانگ ایک "تاؤی" فلسفی (Taoist Yao) تھا، وہ کیانگسو کے صوبہ میں پیدا ہوا، اور سنہ ۱۲۱ء
میں شاہی دربار میں طلب کیا گیا، لیکن چونکہ اسے سرکاری عہدوں کی طرف کوئی رغبت نہ تھی اس لئے اس نے
اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، تسان ٹنگ چی کے خاتمہ پر وہ اپنے متعلق یہ الفاظ لکھتا ہے:۔
"ایک مسکین شخص جسے دنیاوی قوت، عظمت، شہرت اور منافع کی کوئی خواہش نہیں۔ اس کی خواہش تھی کہ اپنی
زندگی کسی ویران وادی میں امن و قناعت سے گذار دے، اس کے یہ خیالات متعین طور پر تاؤی ہیں،
اس کی تصنیف کا شمار "تاؤی" فرقہ کی معیاری کتابوں میں ہے اور وہ آج تک چین میں پڑھی جاتی ہے، ان کا
یہ قدیم چینی تصنیف "کتاب تغیر" (Book of Change) کے حاشیہ کے طور پر لکھی گئی ہے، لیکن دراصل یہ
آب حیات کی تیاری پر ایک مستقل رسالہ ہے، چینی کتابوں کی روایت ہے کہ وائی پویانگ اور اس کے
تین شاگرد آب حیات تیار کرنے کی غرض سے پہاڑ پر گئے، اور جب یہ تیار ہو گیا تو وائی پو نے اسے ایک
کتے پر آزما کر دیکھا، کتا فوراً مر گیا، وائی پو نے شاگردوں سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے، انھوں نے یہ تجویز پیش
کی وہ اُسے خود اپنے اوپر آزمائے، چنانچہ اس نے یہ کہکر کہ اگر دوا اجزار کے تحلیل نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہی
ہے، تو زندہ رہنا شرم کی بات ہے، اسے خود بھی پی لیا اور پیتے ہی ختم ہو گیا، اس پر ایک شاگرد نے کہا کہ ہمارا
استاد کوئی معمولی آدمی نہیں ہے، اس نے دوا پی اور مر گیا، ضرور اس نے کسی خاص مقصد سے ایسا کیا ہوگا، چنانچہ

اس شاگرد نے بھی دوا پی لی اور وہ بھی مر گیا، تب بقیہ دونوں شاگرد تجہیز و تکفین کے انتظام کے لئے نکلے، لیکن
ان کے جانے کے بعد وائی پو پھر زندہ ہو گیا اور تحلیل شدہ دوا کی ایک خوراک سے اس شاگرد اور کتے کو بھی دوبارہ
زندہ کر لیا،

وائی پویانگ کے اس رسالہ کا ترجمہ ڈاکٹر لوچیانگ وُو (Lu Chiang Wu) نے کیا ہے اور
حاشیہ پروفیسر ڈیوس (Y. L. Davis) نے لکھا ہے، ترجمہ سے پہلے علم کیمیا پر ایک دلچسپ بحث ہے،
اس رسالہ کے رو سے "کتاب تغیر" تاؤی اصول اور علم کیمیا سب ایک ہی چیز کی تین مختلف شکلیں ہیں، جن کے نام
الگ الگ رکھ لئے گئے ہیں، اس میں بھی دو ہسنگ (Wu hsing) اور ین یانگ (Yin Yang)
کے قدیم چینی فلسفیانہ خیالات پیش کئے گئے ہیں، دو ہسنگ کے معنی ہیں عناصر خمسہ یعنی لکڑی، خاک، پانی، آگ،
اور دھات، ین یانگ سے مراد دو متضاد اصول ہیں، شروع میں ین کے معنی دھندلے اور یانگ کے معنی روشن تھے
لیکن بعد میں یہ الفاظ متعدد متضاد جوڑوں کے لئے استعمال ہونے لگے، مثلاً یانگ کے معنی سورج اور ین کے معنی
چاند ہو گئے اور ان کے باہمی فعل سے عناصر خمسہ پیدا ہوئے جن میں سے ہر ایک کسی سیارہ کے ساتھ منسوب ہے،
ڈاکٹر وو اور پروفیسر ڈیوس کا بیان ہے کہ یہ اصول ضدین علم کیمیا پر ایک طویل عرصہ تک حاوی رہا، اہل فن کی عام رائے
کے خلاف ڈاکٹر وُو کا خیال ہے کہ ین اور یانگ کا تخیل خالص چینی نہیں ہے اور یہ کہ یہ تخیل اُن پُر اسرار اصولوں کیساتھ
جو اس سے وابستہ ہیں، چین میں کسی دوسرے تمدن سے آئے، موصوف کی رائے ہے کہ ین اور یانگ کا تخیل بابل یا مصر
سے آیا اور شاید کیمیا کا علم بھی اس تخیل کے ساتھ اسی زمانہ میں چین میں آیا ہے،

یہ رسالہ جو ۶۹ ابواب پر مشتمل ہے ایک مغلق اور بعید الفہم تصنیف ہے، اس میں بہت سے دقیق خیالات
ہیں اور جو چیز اسے عرب اور بعد کے یوروپین علمائے کیمیا کی تصنیفات سے ممتاز کرتی ہے وہ اسکا خوشگوار اور دلچسپ
طرز تحریر اور مصنف کی خود نمائی کا فقدان ہے، کیمیا کے متعلق صاف اور واضح معلومات جیسے کہ اکثر یونانی ماہرین کیمیا
کی کتابوں میں ملتے ہیں اس رسالہ میں بہت ہی کم ہیں، اختصار پر بہت کچھ زور دیا گیا ہے، "ع ز"

ایک بین الاقوامی زبان کی تجویز

آج جبکہ سائنس کی ترقیوں سے زمین کی طنابیں کھنچ رہی ہیں اور وسائل آمدورفت کے محیر العقول اختراع سے دور دراز ممالک دفعۃً ایک دوسرے سے قریب ہوتے جارہے ہیں ضرورت ہے کہ ایک ایسی بین الاقوامی زبان پیدا کیجائے جو ہر ملک میں آسانی کے ساتھ سمجھی جاسکے، اس ضرورت کا احساس عرصہ سے تھا، چنانچہ بہتری زبانیں اس مقصد کے لئے تجویز بھی ہوئیں، لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہوسکی، اب اور تھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ، کیمبرج، (ادارۂ صحتِ الفاظ) کے ڈائرکٹر مسٹر اوگڈن (C.K. Ogden) نے ادارۂ مذکور کی طرف سے ایک نئی زبان کا اعلان کیا ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ زبان بین الاقوامی ضروریات کے لئے بالکل کافی ہوگی، اس زبان کا نام انھوں نے "بنیادی انگریزی" (Basic English) رکھا ہے اور اس پر ایک دلچسپ مقالہ بھی لکھا ہے جو سنڈے اسٹیٹسمین مورخہ ۲۵ اگست ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

گذشتہ تین صدیوں میں تین سو سے زیادہ مصنوعی زبانیں تجویز کی جاچکی ہیں، ان میں سے اکثر فنا ہوگئیں، جو باقی رہ گئی ہیں، ان میں اسپرانٹو (Esperanto) زیادہ مشہور ہے، ان میں سے کوئی بھی کسی زندہ زبان کی بنیاد پر قائم نہیں کیگئی، وہ سب نئی زبانیں تھیں جن سے بجز اس کے کہ زبانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا اور کچھ حاصل نہ ہوا، حالانکہ زبانوں کے نقطۂ نظر سے اس وقت دنیا کی بڑی ضرورت افراط نہیں بلکہ تفریط ہے۔

انگریزی پہلے ہی سے پچاس کروڑ آدمیوں کی مادری یا دفتری زبان ہے، دس سال ہوئے ہم میں سے بعض اشخاص نے محسوس کیا کہ اگر اسے آسان بنادیا جائے تو تجارت، سائنس اور تمام دوسرے اغراض کیلئے یہ ایک بین الاقوامی زبان بن سکتی ہے، چنانچہ کیمبرج کے اورتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ (Orthological Institute) نے یہ کام شروع کردیا اور یہ "بنیادی انگریزی" اس کی دہ سالہ محنت کا نتیجہ ہے، ہم لوگوں

نے ساڑھے آٹھ سو الفاظ چن لئے ہیں جنسے بیس ہزار الفاظ کا کام لیا جاسکتا ہے، تجربہ سے ثابت ہوگیا ہے کہ استعمال کے چند ضروری اصولوں کے ساتھ وہ چوبیس گھنٹوں میں یاد ہوسکتے ہیں، اگر غیر ممالک کے طلبہ اگر اس زبان پر روز دو گھنٹے صرف کریں تو ایک مہینہ میں عبور حاصل کرسکتے ہیں،

انگریزی لغت کے معتبر الفاظ کا شمار پانچ لاکھ ہے، ان میں سے پروفیسر تھورن ڈائک (Thorndike) نے بیس ہزار الفاظ منتخب کرلئے ہیں جو اکثر بچوں کی کتابوں میں استعمال ہوتے ہیں، بہت کمسن بچوں کے لغت میں بھی دو ہزار سے تین ہزار تک الفاظ ہوتے ہیں، سرخیوں اور اشتہاروں کے لکھنے والے تقریباً سات ہزار الفاظ استعمال کرتے ہیں، اوسط ناظرین کو پچیس ہزار الفاظ سے واقفیت رہتی ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صرف ساڑھے آٹھ سو الفاظ سے تمام ضروری مطالب ادا کئے جاسکیں؟

اکثر انگریزی افعال (verbs) غیر ضروری ہیں، ان کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے، ہزاروں ایسے ہیں جنکا مفہوم آسان تر افعال کے ساتھ ظرف، حرف جر، یا اسم کو شامل کرکے ادا کیا جاسکتا ہے، مثلاً (Accelerate) کے معنی ہیں To go more quickly (جلد جانا) اور Climb کے معنی ہیں To go up (اوپر چڑھنا) اسی طرح To break the law کے معنی ہیں To go against the law (قانون شکنی کرنا) اور To kick کے معنی ہیں To give a kick (ٹھوکر مارنا) ان مثالوں میں چار افعال یعنی Accelerate; Climb; Break; Kick ایسے ہیں جو چھوڑے جاسکتے ہیں، ماہرین ادارہ نے نہایت کاوش اور محنت سے تمام غیر ضروری افعال کو خارج کرکے صرف اٹھارہ افعال کو منتخب کرلیا ہے، ان میں بھی بعض صرف اسلئے رکھ لئے گئے ہیں کہ ان سے دوسرے الفاظ کو مدد ملتی ہے، وہ ضروری افعال مندرجۂ ذیل ہیں:۔

Come. Get. Give. Go. Keep. Let. Make. Put. Seem
Take. Be. Do. Have. May. Will.

اگر یہ مناسب طریقہ سے استعمال کئے جائیں توان سے تمام دوسرے افعال کا کام لیا جاسکتا ہے،

واضح طور پر مفہوم کے سمجھنے کے لئے جن اسمار کی ضرورت ہے ان کی تعداد چار سٗو ہے، اسی طرح ضروری صفات (adjectives) کی تعداد سٗو اور افعال اور ان الفاظ کی جن سے افعال کو مدد ملتی ہے، مجموعی تعداد بھی سٗو ہے، ان کے علاوہ دو سٗو الفاظ اُن اسمار کے ہیں جن کی تصویر لیجا سکتی ہے، مثلاً پنسل اور گاڑی وغیرہ اور پچاش الفاظ متقابل صفات کے لئے ہیں مثلاً تنگ، اور سست" بنیادی انگریزی" کے الفاظ بس یہی ہیں، ان کے علاوہ پچاش الفاظ ایسے ہیں جو عام طور پر رائج ہیں، اور ہر ملک میں سمجھے جاتے ہیں، مثلاً ہوٹل، تھیٹر، وولٹ، ٹیلی گرام، پولیس، میڈم، سر، القاب مثلاً پرنس اور پریزیڈنٹ، علوم کے نام، اعداد، جغرافی نام، اور وہ الفاظ جو پیمائش اور سکون سے متعلق ہیں، یہ سب پہلے ہی سے بین الاقوامی استعمال میں رائج ہیں، اور ساڑھے آٹھ سو کی فہرست میں شامل نہیں ہیں،

اگر تمام دنیا کے ماہرین سائنس کسی مجلس میں اکٹھا ہوں، اور ان (۸۵۰) بنیادی الفاظ کے ساتھ عام سائنٹفک اصطلاحات کے ایک سو الفاظ نیز پچاش دوسرے الفاظ جو کسی متعین سائنس کے لئے مخصوص ہوتے ہیں، استعمال کریں تو وہ ایک دوسرے کا مطلب بغیر کسی دشواری کے سمجھ سکتے ہیں، ان ایک ہزار الفاظ کے ذریعہ ہر علم سے واقفیت حاصل کیجا سکتی ہے،

"ع ز"

چینی مسلمان

آغاز اسلام سے آج تک چین میں مسلمانوں کی جو مذہبی اخلاقی تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالت رہی ہے، اسکو خود چین کے ایک دردمند اور صاحب قلم مسلمان یعنی مولوی بدرالدین چینی نے جنھوں نے جامعہ ملیہ میں بی اے تک کی تعلیم حاصل کی ہے اور دارالعلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دیئے ہیں، اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانانِ ہندوستان جو اپنے چینی بھائیوں کے قدیم وجدید حالات سے بے خبر ہیں، ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت :- عہ

اخبار علمیہ

روس میں ماہرین عضویات کا ایک عظیم الشان اجتماع

گذشتہ ماہ اگست کے وسط میں ماہرین عضویات (Physiologists) کی ایک عظیم الشان کانگریس روس میں منعقد ہوئی تھی جس کے اجلاس ایک ہفتہ تک لینن گراڈ میں اور تین روز تک ماسکو میں ہوتے رہے، یہ پندرھویں بین الاقوامی عضویاتی کانگریس تھی جس میں ۸۵۰ ماہرین عضویات وحیاتیات ۳۷ ملکوں کے نمایندوں کی حیثیت سے شریک تھے، اس کے صدر روس کے ممتاز ترین فاضل عضویات پروفیسر آئیوان پٹرووک پادلوف (Ivan Petrovich Pavlov) تھے جن کی عمر اس وقت ۸۶ سال ہے، افتتاحی اجلاس میں بارہ سٗو سے زیادہ روسی اور غیر ملکی سائنس داں شریک تھے، انقلاب کے بعد یہ پہلی عظیم الشان سائنٹفک کانگریس تھی جو روس میں منعقد ہوئی، خطبۂ صدارت کے بعد ڈاکٹر والٹر کینن (Walter Cannon) نے جو امریکی علمائے عضویات کے صدر ہیں کھڑے ہو کر قومی عصبیت کے خلاف ایک نہایت پرجوش تقریر کی اور جرمنی کے استبداد کی جانب خاص طور پر اشارہ کیا، موصوف نے فرمایا :- "قومیت کے جذبہ نے یہانتک شدت اختیار کرلی ہے کہ اب اس میں تنگی پیدا ہوگئی ہے، بلند پایہ فضلا، ومحققین جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں تحقیر وتذلیل کا نشانہ بنائے گئے ہیں، اور انھیں عسرت وافلاس کی حالت میں ڈالدیا گیا ہے، ماضی میں ہم نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ کسی ایک قوم یا کسی ایک نسلی گروہ کے نمایندوں کی رہین منت نہیں ہیں" ان الفاظ پر سامعین کی صدائے تحسین وآفرین سے کانگریس کا وسیع ہال گونج اٹھا،

روس کی سوویٹ حکومت نے سائنس کی ترقی میں خاص طور پر مدد دی ہے منجملہ اور شعبوں کے عضویات

میں بھی بہت نمایاں ترقی ہوئی ہے، سنہ ۱۹۲۲ء میں تمام روس میں عضویات کی تحقیق کے لئے صرف (۴۴) مرکز قائم تھے جن میں کام کرنے والوں کی تعداد (۵۰۰) سے بھی کم تھی، آج ان مرکزوں کی تعداد (۴۰۰) ہے اور کام کرنے والوں کا شمار (۵۰۰۰) سے زیادہ، دنیا کے بہترین تحقیقاتی مرکزوں میں کولٹوشی بیالوجیکل اسٹیشن (Koltushy Biological Station) بھی ہے جو لینن گراڈ سے پچیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس کے صدر پروفیسر پاولوف ہیں، گذشتہ سال ان کی پچاسیویں سالگرہ کے موقعہ پر سوویٹ حکومت نے انھیں بیس ہزار روبل کا سالانہ وظیفہ عطا کیا تھا اور ان کے معملوں کی توسیع کے لئے دس لاکھ روبل اور دیئے تھے، بغیر اس تفتیش کے کہ ان کے رسرچ سے عملی فائدہ فوراً کس قدر حاصل ہوگا، حکومت نے انھیں اختیار دیدیا ہے کہ اپنے کام کو جس طرح مناسب خیال کریں جاری رکھیں، روس کے علاوہ دنیا کی اور کوئی حکومت اتنے وسیع پیمانہ پر سائنس کی مدد نہیں کرتی،

اس کانگریس میں سیکڑوں اہم مسائل پر بحث کیگئی جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

(۱) امریکہ کے ڈاکٹر ولیم ناکلاس (W. Nachlas) اور ڈاکٹر ڈیوڈ شیلنگ (Shelling) نے پرہیزی غذاؤں اور دواؤں کے استعمال سے ہڈیوں کی بدشکلی کے درست کرنے کا ایک طریقہ بیان کیا، جو خود انہی کا دریافت کردہ ہے، اس طریقہ کے استعمال سے ہڈیاں نرم ہوجاتی ہیں، اس کے بعد وہ سیدھی کرلی جاتی ہیں، اور پھر ایک سانچہ میں رکھکر دواؤں کی مدد سے سخت کردی جاتی ہیں، اس طرح ان کا سابق عیب بالکل دور ہوجاتا ہے،

(۲) ماسکو کے پروفیسر زواڈوسکی (M. Zavadovsky) نے اپنے تجربات کی بنا پر اعلان کیا کہ غدود کے ذریعہ اعادۂ قوت وشباب کا جو طریقہ رائج ہوگیا ہے وہ مضرت سے خالی نہیں، اس سے جسم کے بعض اعضاء کو نقصان بھی پہنچتا ہے،

(۳) لینن گراڈ کے پروفیسر نکولائی واویلوف (Nikolai I. Vavilov) کا یہ اعلان نہایت

حیرت اور توجہ سے سنا گیا کہ اگر موجودہ سائنٹفک معلومات سے زراعت کو مدد پہنچائی جائے تو زمین بیس ارب یعنی دنیا کی موجودہ آبادی کی دہ چند آبادی کے لئے غلہ پیدا کرسکتی ہے، یہ اعلان اُن تجربات پر مبنی تھا جو موصوف نے روس کے بعض شمالی علاقوں میں کامیابی کے ساتھ کر دکھائے ہیں، اُن کے طریق کاشت سے زمین کی پیداوار دس گنی ہوگئی ہے،

علمی آزادی

روس کی مذکورۂ بالا کانگریس کے زمانہ میں اکسفرڈ میں بھی ۱۴ تا ۱۶ اگست علمی آزادی کے تحفظ کے لئے ایک کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی جس کے صدر پروفیسر مایرس (J. L. Myres) تھے، اس کانفرنس نے علم اور پیشہ کی آزادی پر تقریریں کرکے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی، دوران مباحثہ میں مسٹر کول (G. D. H. Cole) نے کہا کہ "اگرچہ برطانیۂ عظمیٰ میں ہم لوگ علمی اور پیشہ کی آزادی میں مداخلت سے نسبتہً محفوظ ہیں تاہم قوی اندیشہ ہے کہ تعصب تیزی کے ساتھ ترقی کرجائے اور یہ اندیشہ تجارت اور صنعت وحرفت سے متعلق خاص طور پر زیادہ ہے، ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ مداخلت کو بالکل روک دیا جائے، بلکہ اسکو حدود کے اندر رکھا جائے" کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں بین الاقوامی امداد علمی کا مسئلہ زیر بحث تھا اور اٹلی، اسپین، بلغاریہ، اور جرمنی میں اساتذہ پر جو تعدیاں روا رکھی گئی ہیں ان کے متعلق رودادیں پڑھی گئیں، جرمنی کے علاوہ دوسرے ملکوں کے مظلوم اساتذہ کی امداد کی ضرورت پر بھی ایک قرارداد منظور کی گئی، نیز ایک ایسی کمیٹی کی تجویز منظور کیگئی جو اس کام کو بین الاقوامی طریقہ پر انجام دے، اس اجلاس کے صدر پروفیسر ابرکرومبی (Abercrombie) نے فرمایا کہ "بین الاقوامیت کو خود تہذیب وتمدن کا مترادف سمجھنا چاہئے" کانفرنس کے آخری اجلاس میں جس کے صدر پروفیسر جولین ہکسلے (Julian Huxley) تھے سائنس سے فائدہ اٹھانے کے مسئلہ پر بحث تھی، پروفیسر موصوف نے فرمایا کہ "اگر ایک وسیع پیمانہ پر سائنس سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس سے اقتصادی اور معاشرتی نظام کی شکل بدل جائے گی"۔ ڈاکٹر ہیوز (Hughes) نے کہا کہ اگر سائنس کے پیش نظر

رفاہِ عام کا کوئی وسیع مقصد ہے، اور سائنس داں اپنے کاموں کا کچھ بھی ذمہ دار ہے تو ضروری ہے کہ اسے خود اس
کے معیار کے مطابق کام کرنے دیا جائے نہ کہ ان معیاروں کے مطابق جو غیر سائنس داں اہلِ سیاست اپنی خود رائی
سے اس پر عائد کریں"، ایک قرارداد منظور کیگئی کہ سائنٹفک اور صنعتی اداروں کے نمایندوں کی ایک کمیٹی قائم کیجائے
جو اس بات کی کوشش کرے کہ حتی الامکان سائنس کی تمام سرگرمیاں نوع انسانی کے مفاد و بہبود کیلئے وقف کردیجائیں،

ہوائی یونیورسٹی

چین کے ایک نوجوان فاضل مسٹر چانگ (CHANG) نے شنگھائی میں لاسلکی کے ذریعہ تعلیم کی نشر و اشاعت کا ایک عجیب و غریب انتظام کیا ہے جسے وہ اپنی "ہوائی یونیورسٹی" کہتے ہیں، مسٹر چانگ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں، چند دنوں سے وہ شنگھائی کے ایک لاسلکی کے مرکز سے مائکروفون کے ذریعہ تقریباً ایک ہزار چینی طلبہ کو تعلیم دے رہے ہیں، اس طریقہ سے جو لوگ ریڈیو کا آلہ رکھنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ گھر بیٹھے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور جو غریب ہیں وہ ان مقامات پر جاکر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جہاں ریڈیو کے آلے قومی انجمنوں کی طرف سے لگے ہوئے ہیں، مسٹر چانگ نے اس بات کا بھی انتظام کیا ہے کہ طلبہ ٹیلیفون یا خط و کتابت کے ذریعہ ان مضامین کے متعلق جن کو وہ مائکروفون سے سنتے ہیں سوالات بھی کر سکتے ہیں، ان کے سوالات کا جواب فوراً دیا جاتا ہے، اب مسٹر چانگ اس طریقۂ تعلیم کو اور زیادہ وسیع بنانا چاہتے ہیں، اور ان کی تجویز ہے کہ روز دو گھنٹے دنیا کے ہر حصہ کے ماہرین علم و فن کے لکچروں کے ریکارڈ جو تعلیمی فلسفیانہ، اور سائنٹفک مضامین پر ہوں طلبہ کو سنائے جائیں، لاسلکی کے ذریعہ ان لکچروں کی اشاعت سے پہلے ان کا ترجمہ چینی زبان میں کر دیا جائے گا،

بڑی ناک

نپولین اکثر کہا کرتا تھا کہ جب مجھے کوئی کام عمدہ طریقہ سے انجام دینا ہوتا ہے تو میں اس کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرتا ہوں جسکی ناک بڑی ہو، میرا تجربہ ہے کہ جس کی ناک بڑی ہوتی ہے اس کا دماغ بھی بڑا ہوتا ہے" "ع ز"

اَدَبیّات

غزلِ مزمّل

کہ بر طرح مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب حسرت شروانی گفتہ شدہ

از

جناب ڈاکٹر سر نواب مزمل اللہ خاں، بہادر، بالقابہ

اے قدِ تو رشکِ سروِ کشمری ۔۔۔ سنبل از زلفت بجوید برتری
اے جبینت ماہ و ابرویت ہلال ۔۔۔ عارضِ تو رشکِ شمعِ خاوری
مثلِ زلفت رنگ و بو در مشک نیست ۔۔۔ خونِ بستہ ہست مشکِ اذفری
بوسہ خواہم زنقشِ پائے تو ۔۔۔ گر نصیبِ من نماید یاوری
صد ہزاراں عشوہ دارد شوخِ من ۔۔۔ یک نباشد زاں بکیشِ کافری
زاہد از پیری ندارد تابِ عشق ۔۔۔ عصمتِ بی بی است از بے چادری
عشق جاں بخش است چوں آبِ حیات ۔۔۔ اے سکندر تا کجا پے می بری
کیش و آئینے نداند عشقِ دوست ۔۔۔ نے موحد باشد و نے "نیچری"
آں پریشاں می کند، ایں جاں دہد ۔۔۔ شورِ عشقش خوشش ز شورِ محشری
موسے بہرِ جنونم خاص نیست ۔۔۔ نزدِ شس یکساں است "جون دجنوری"

ایں غزل از حکم حسرت گفتہ ام
اے مزمل کو مفر از چاکری

نورِ معرفت

ازحکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

کام کب حسبِ مدعا نہ ہوا — اس کے فضل و کرم سے کیا نہوا

ہم تو اک بار اس کے ہو جائیں — وہ ہمارا ہوا ہوا نہ ہوا

ڈھونڈتا ہوں میں ہر نفس اسکو — مجھ سے جو اک نفس جدا نہ ہوا

کیا ملا وحدتِ وجودی سے — بندہ بندہ رہا خدا نہ ہوا

بندگی میں یہ کبریائی ہے! — خیر گذری کہ میں خدا نہ ہوا

جا چکے عقل و ہوش و تاب و تواں — لیکن افسوس اَنا فنا نہ ہوا

سببِ معرفت ہوں نیکوں کا — میں اگر بد ہوا، برا نہ ہوا

پاک ہستی سے میری نسبت ہو — میں بُرا ہو کے بھی برا نہ ہوا

غیر کی کیا شکایت اے امجد — آہ جب میرا دل مرا نہ ہوا

کلامِ طالب

ازجناب طالب گنوری لاہور

نگہتِ بادِ بہاری طرب انگیز ہے آج — پتہ پتہ چمنِ دہر کا گل ریز ہے آج

گرمیِ شوق سر بزمِ مغاں تیز ہو آج — مشعلِ بادہ مینا شرر انگیز ہے آج

تیری مستی بھری آنکھوں کا کرشمہ ساقی — ساغرِ چشمِ مے شوق سے لبریز ہے آج

پھونکدے، پھونکدے او گرمیِ ہنگامۂ شوق — دل کی رگ رگ میں غمِ عشق شرر خیز ہے آج

دامنِ دشت پہ آنچ آئے نہ اے بادِ بہار — سرخیِ لالۂ صحرا شرر انگیز ہے آج

اگ ہی آگ جگر سے ہے زباں تک طالب — بے تکلف مری ہر آہ شرر خیز ہے آج

بابُ التقریظِ والانتقاد

چند نئے اخبارات اور رسالوں کے خاص نمبر

اس ششماہی میں ذیل کے چند نئے اخبار نکلے ہیں، ان کی اشاعت کے مقام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اردو کے اصطلاحی مرکزوں سے ایک دو اخبار نکلے، اسی اوسط سے ان سے دور دراز مقامات مثلاً برہما، کراچی، ملتان، بمبئی اور سری نگر وغیرہ سے بھی ایک ایک دو دو اخبار نکلے ہیں، اس زبان کی توسیع کی کسی منظم کوشش کے بغیر آپ سے آپ ان اخبارات کا وہاں سے محض اپنی ملکی ضرورت پوری کرنے کے لئے نکلنا، اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ یہ ملک کی مشترکہ زبان ہے، اور وہ صحیح معنوں میں ہندوستانی کے نام سے موسوم کئے جانے کی مستحق ہے،

صدق لکھنؤ (ہفتہ وار) اڈیٹر مولٰنا عبد الماجد دریابادی، حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ قیمت:- سالانہ للعہ ہر پرچہ ۱، پتہ:- دفتر اخبار صدق، لکھنؤ،

مولٰنا عبد الماجد صاحب دریابادی کے ہفتہ وار صدق کا تذکرہ معارف ماہ جولائی کے ایک شذرہ میں کیا جا چکا ہے، یہ "سچ" کے بجائے نکلا ہے، اور صحیح معنوں میں اس کا مثیل ہے، پہلے صفحہ پر "سچی باتیں" اسی مؤثر انداز اور دلنشین پیرایہ میں اس میں بھی بیان کیجاتی ہیں، چھوٹے چھوٹے شذروں میں مشرق و مغرب، مذہب و مادیت اور قدیم اور جدید تہذیبوں کا موازنہ کیا جاتا ہے، اور ان میں قدیم تہذیب کے محاسن اور جدید تہذیب کے بعض خامن نقائص لطیف اشاروں اور چٹکیوں میں دکھائے جاتے ہیں، یورپ کے ممتاز اخبارات کی شائع شدہ خبروں، رایوں اور یورپ کے مدبرین کے خطبوں پر اسی رنگ میں دلچسپ اور بصیرت افروز تبصرے کئے جاتے ہیں، اور انہی کالموں میں مسلمانوں کو مذہبی و معاشرتی اصلاح کی دعوت دیجاتی ہے، پھر ہر نمبر میں ایک دو مذہبی و اصلاحی

مقالے چھپتے ہیں، کبھی کبھی لوگوں کے پیش کئے ہوئے مذہبی شکوک کے تسلی بخش جوابات دیئے جاتے ہیں، "سچ" اور "صدق" میں صوری (شروع کے ایک دو نمبروں کو چھوڑکر) اور معنوی دونوں حیثیتوں سے بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ مولنا کے انگریزی ترجمہ قرآن کے نئے مشغلہ کے اثر سے "صدق" کے صفحات میں معارف قرآنیہ کا اضافہ ہوگیا ہے، اور کبھی کبھی انگریزی ترجمہ قرآن کے ایک آدھ رکوع کا اردو ترجمہ مع تشریحی تعلیقات کے شائع کیا جاتا ہے، جس سے موصوف کے انگریزی ترجمۂ قرآن کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح سچ کی تحریروں میں انشا کا لطف اور زبان کی جو حلاوت پائی جاتی تھی، وہ بدرجۂ اتم صدق میں بھی موجود ہے، دعا ہے کہ خدا اس کی زندگی تادیر قائم رکھے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو دینی فلاح وسعادت حاصل ہو،

روزنامہ پیام، حیدرآباد، دکن، اڈیٹر جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی، حجم ۸ صفحے تقطیع ۲/۳۰×۲۰ قیمت سالانہ عہ (سکہ انگریزی) عہ (سکہ عثمانی) ہر پرچہ ار پتہ:- دفتر روزنامہ پیام، نارائن گوڑہ حیدرآباد، دکن،

قاضی عبدالغفار صاحب اردو زبان کے مشہور ادیب اور مولنا محمد علی مرحوم کے ہمدرد کے دور اول کے رفقائے کار میں سے ہیں، ہمدرد کے شوخ کالم میں موصوف ہی کے قلم کی گلکاریاں ہوتی تھیں، ہمدرد کے بند ہونے کے بعد ایک سے زیادہ روزنامے اور ہفتہ وار کامیابی سے نکالے، اور اب انھوں نے حیدرآباد دکن سے پیام کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ہے، اس کا پہلا پرچہ ۹ رمئی ۱۹۳۵ء کو نکلا، اور اس وقت تک اپنے مرتب کی خصوصیات کا حامل رہ کر نکل رہا ہے،

روزنامہ سلیقہ سے مرتب کیا جارہا ہے، پہلے صفحہ پر سنجیدہ، دلچسپ، علمی، تاریخی، اور بصیرت افروز سیاسی مضامین چھپتے ہیں، پھر "اخبار خارجہ" "ہندوستان" "دارالسلطنت" "ممالک محروسہ" "عالم اسلام" اور "متفرقات" کی مستقل سرخیاں ہیں جنمیں روزانہ کی خبریں قرینہ سے مرتب کیجاتی ہیں، افتتاحیہ میں سیاسی اور دوسرے وقتی مسائل ومباحث پر دلچسپ انداز بیان میں غور وفکر کی نظر ڈالی جاتی ہے، "سرراہ" کے عنوان سے، خبروں،

تقریروں، اور معاصرین کی رایوں پر لطیف اور انوکھے انداز میں چٹکیاں لیجاتی ہیں، مقامی سیاسیات بھی اس کیلئے شجر ممنوعہ نہیں، متانت کے ساتھ مختلف مقامی سیاسی مسائل پر اظہار رائے کیا جاتا ہے، اردو کے اچھے اخبار و رسائل کے مضامین بھی نقل کئے جاتے ہیں،

افتتاحیہ اور سرراہ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ روزنامہ وفاداری کے ساتھ ریاست حیدرآباد کا خدمتگذار ہے، قدیم مشرقی تہذیب کا دلدادہ ہے، اور ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ تہذیب (مذہب نہیں) کے پیدا کئے جانے کا آرزومند ہے، اور اس لئے قدرۃً ہندو مسلم اتحاد کا زبردست داعی ہے، ہندوستانی ریاستوں میں ملکی اور غیر ملکی کا نفاق دن بدن بڑھتا جاتا ہے، یہ اخبار اس جذبہ کا سخت مخالف ہے، اس کا پیغام ہے کہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، ہندوستانی ریاستوں کو ہر قسم کے اہل لیاقت کے جوہر سے یکساں فائدہ اٹھانا چاہئے ہندوستان کی تحریک آزادی کا بھی حامی اور ملک کی مقتدر جماعت کے ذریعہ اسمبلی اور کونسلوں میں ذمہ دارانہ حصہ لینے کا بھی وہ موید ہے، اور سیاسیات میں مذہب کے دخل دینے کا منکر اور اس کی وجہ سے سیاسیات میں حصہ لینے والی مذہبی جماعتوں کا مخالف ہے، اور طنزیات ومضحکات اور معمہ آمیز تحریروں کے ذریعہ اسکے کالموں میں اس کی نمائش ہوتی رہتی ہے، اور جو افسوس ہے کہ کبھی کبھی اپنے حدود سے گذر جاتی ہے، نیز قاضی صاحب ہندوستان کے تمام رہنماؤں سے بھی بلا استثنا مایوس ہیں، اور انھیں بھی جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ روزنامہ اردو صحافت میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، خدا کرے کہ اسکو زندگی ملے، اور اس کے ذریعہ نیک خدمات انجام پائیں،

مسلم گزٹ، کلکتہ، (روزنامہ) اڈیٹر جناب محمد اسحق صاحب امرتسری، حجم ۸ صفحے تقطیع ۲/۳۰×۲۰ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ للعہ) ہر پرچہ ۱ر پتہ:- دفتر مسلم گزٹ، نمبر ۸۲ کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ،

جناب محمد اسحق صاحب امرتسری پہلے کلکتہ کے روزنامہ ہند جدید کی ادارت سے وابستہ اور تحریک

اشتراکیت کے حامی تھے، اب اس سے جدا ہو کر کلکتہ ہی سے مسلم گزٹ کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ہے، جو مسلمانوں
کی سیاسی شیرازہ بندی کا خواہان، اسلامی ہند کے سیاسی و مذہبی حقوق کا ترجمان، بنگال کے مسلمان مزدوروں کا ہمدرد
اور انسانیت کے نام پر اچھوت تحریک کا حامی ہے، روزنامہ کو مولوی محمد عثمان مصری، مولوی عبداللہ مصری، اور
جناب ارشد عظیم آبادی کی مستقل قلمی امداد حاصل ہے، پرچہ سلیقہ سے مرتب کیا جاتا ہے، ہر اشاعت میں کوئی مذہبی
سیاسی یا ادبی مضمون التزام سے چھپتا ہے، اور "جہان اسلام" کے عنوان سے اسلامی دنیا کی خبریں عربی اخبارون
سے ترجمہ کیجاتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ کبھی کبھی مخالف معاصرین سے اختلاف کرنے میں تحریر کا لب و لہجہ درشت
ہو جاتا ہے، مثلاً ۱۲ ستمبر کے افتتاحیہ میں ہے "بہت سے اردو اور انگریزی اخبار بھی اپنے آپ کو مزدوروں کا حامی
اور سوشلسٹ (اشتراکی) تحریک کا معین و مددگار بتاتے ہیں، حالانکہ ہم جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ وہ بددیانت
اور بے ایمان ہیں، اور عام بے سمجھ ہندوستانیون کو دھوکہ دیکر اپنی سنہری اور رُوپہلی مصلحتون کو استوار کرنا چاہتے
ہیں اور کر رہے ہیں، مزدورون کو چاہئے کہ ان آستین کے سانپوں سے بچے رہیں، . . . . . . "مدعا کے
اظہار میں کاش یہ سختی نہ ہوتی،

مجاہد لاہور (روزنامہ) اڈیٹر جناب مشتاق احمد صاحب، ۸ صفحے، تقطیع $\frac{22 \times 29}{4}$، قیمت سالانہ
عہ، ہر پرچہ ار، پتہ:- دفتر مجاہد، سرکلر روڈ، لاہور،

یہ روزنامہ پنجاب کی جماعت احرار کا ترجمان ہے، لاہور کی مسجد شہید کی تحریک میں جماعت احرار نے
رائے عامہ کے مخالف جو حکمت عملی اختیار کی تھی، اسکی توضیح و تشریح کے لئے یہ جاری کیا گیا ہے، جس مین اپنی صفائی
پیش کرنے کے علاوہ، اس تحریک مین حصہ نہ لینے پر اس جماعت کو مورد الزام سمجھنے والی جماعتون اور اخبارون
کے شکوک و شبہات، شکایات اور الزامات کے جواب دیئے جاتے ہیں، نیز ردِ قادیانیت سے متعلق خبرین اور مضامین
بھی التزام سے چھپتے ہیں، توقع ہے کہ جب اسے مسجد شہید کے بحث و مناظرہ سے فرصت ہوگی تو یہ ایک کامیاب
اسلامی روزنامہ ثابت ہوگا،

شریعت لائل پور (ہفتہ وار) مدیر جناب محمد حبیب اللہ صاحب بی اے، ۱۶ صفحے، تقطیع $\frac{22 \times 29}{4}$
لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ار، پتہ:- دفتر اخبار شریعت، عبداللہ پور
لائل پور، (پنجاب)

ہندوستان کے صاحبِ نظر مفکرین، اسلامی ہند کے لئے ایک ایسے قانون کے اجراء کی ضرورت کا احساس
ایک زمانہ سے کر رہے ہیں جس میں مسلمانوں کے شخصی و جماعتی قوانین (پرسنل لا) فقہ اسلامی کے مطابق درج ہوں،
چنانچہ اس ضرورت کی طرف پہلی مرتبہ تقریباً پندرہ برس گذرے معارف کے صفحات میں علماء اور سیاسی جماعتون کو توجہ دلائی گئی،
مسرت ہے کہ اب یہ تحریک عملی جامہ پہن رہی ہے، اور مولوی حافظ محمد عبداللہ صاحب ممبر اسمبلی نے "شریعت بل"
مرتب کر لیا ہے، جو اسمبلی کے اجلاس میں بھیجا جا چکا ہے، اور اسلامی انجمنیں اور اخبار اسکی پرزور حمایت
کر رہے ہیں، یہ ہفتہ وار موصوف ہی کی نگرانی میں اسی مقصد کی تبلیغ و اشاعت کے لئے چند ماہ سے جاری ہوا ہے،
ضرورت ہے کہ اس بل پر مسٹر جناح وغیرہ کی تائید حاصل کر کے اسے جلد از جلد اسمبلی میں پیش کیا جائے، یہ بل
قانون بنجانے کے بعد مولوی حافظ محمد عبداللہ صاحب کی اسمبلی کی زندگی کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہوگا، ہفتہ وار کو
دلچسپ بنانے کے لئے مختلف اسلامی موضوعون پر سنجیدہ اور اچھے مضامین بھی جمع کئے جاتے ہیں، اور دوسرے
اسلامی سیاسی مسائل میں بھی مسلمانون کی رہبری کیجاتی ہے،

ہمدرد کشمیر (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی محمد سعید صاحب و جناب شانتی سروپ صاحب نشاط
۱۸ صفحے، تقطیع $\frac{22 \times 29}{4}$ قیمت سالانہ صہ ہر پرچہ ۲ر، پتہ:- دفتر ہمدرد، سری نگر، کشمیر،

یہ ہفتہ وار تحریک کشمیر کے بانی جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب، اور کشمیر کے ہندوؤں کے لیڈر جناب پریم ناتھ
صاحب بزاز کی متحدہ نگرانی میں جاری ہوا ہے، شیخ صاحب موصوف ان دنوں کشمیر کی اسمبلی کے سرگرم ممبر ہیں، اور
اسمبلی میں اپنے ہنگامہ خیز سوالوں کے ذریعہ مسلمانانِ کشمیر کے حقوق حاصل کرنے اور انکی حفاظت و نگہداشت کرنے
میں مصروف ہیں، اس کے ساتھ اب موصوف کو کشمیر کے مسلمان، ہندو اور سکھ باشندون کی متحدہ قومیت کی تعمیر

کا خیال پیدا ہوا ہے، اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اس صحیفہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے، اس کے افتتاح کی رسم تحریک تنظیم کے سابق سرگرم کارکن اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کے موجودہ داعی، جناب ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو نے انجام دی ہے، ملک کے مقتدر ہندو، مسلمان، اور سکھ لیڈروں، حکومت ہند کے انگریز و ہندوستانی اعلیٰ عہدہ دار و وزراء، حکومت پنجاب کے ہندو وزراء، اور اسی طرح ریاست کشمیر کے تقریباً تمام ممتاز انگریز و ہندوستانی اراکین سلطنت نے اس صحیفہ سے اپنی بہترین توقعات کا اظہار کیا ہے، اسکی ہر اشاعت میں مختلف دلچسپ ادبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین بھی چھپتے ہیں،

البرق، سری نگر (سہ روزہ) اڈیٹر جناب ایم اے صابر جرنلسٹ، حجم ۴ صفحے، تقطیع $\frac{22\times18}{2}$،
قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ۱ر، پتہ:- دفتر البرق، سری نگر، کشمیر،

یہ کشمیر کے مسلمانوں کا ترجمان ہے، اور ریاست میں متحدہ قومیت کی تحریک کو ابھی قبل از وقت سمجھتا ہے، کہ ابھی اس کے نزدیک مسلمانان کشمیر میں مزید سیاسی بیداری پیدا کرنا باقی ہے، اسلئے صرف انہی کے درمیان کام کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ یہ اپنے نقطۂ نظر سے انہیں تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی ترقی و اصلاح کی دعوت دیتا ہے، اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہے،

علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ، ناشر جناب محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڈہ حجم ۲۰ صفحے، تقطیع $\frac{26\times20}{4}$ کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی ٹائپ میں، قیمت سالانہ للعہ

یہ مسلم یونیورسٹی کا قدیم خدمتگذار ارگن ہے، جو مدت سے بند تھا، اور اب ۲۲ اگست ۳۵ء سے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی ادارت کی ذمہ داری کے ساتھ پھر نکلا ہے، اس کے پہلے پرچہ میں یونیورسٹی کے کوائف کے علاوہ، اس کے نصب العین پر بعض قدیم و جدید مضامین شائع کئے گئے ہیں، اور مختلف مسلمان اکابر جناب نواب صاحب چھتاری بالقابہ، جناب نواب بہادر سر مزمل اللہ خان بالقابہ، قاضی سر عزیز الدین اور سر عبد القیوم کے امید افزا پیغامات درج ہیں، جن میں اس کے اجراء پر مسرتوں کا اظہار کیا گیا ہے، پھر جناب

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی ایک تقریر انگریزی زبان میں ہے جسمیں یونیورسٹی کے طلبہ کو خطاب کیا گیا ہے، اسی طرح اسکی ہر اشاعت میں یونیورسٹی کے کوائف اور مختلف تعلیمی و علمی ضرورتوں پر مضامین شائع ہوتے ہیں، امید ہے کہ تحریک علی گڈہ سے وابستہ طبقہ اس پرچہ کی اشاعت کی ترقی میں معاون ہوگا،

اخبار مسلمان، سوہدرہ (ہفتہ روزہ) ادارہ مولانا محمد حنیف ندوی، و جناب عبد المجید صاحب خادم، ۱۶ صفحے، تقطیع $\frac{26\times20}{4}$، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر اخبار مسلمان سوہدرہ، ضلع گوجرانوالہ (پنجاب)

یہ اخبار کئی سال سے جاری تھا، اب اس نے "دور جدید" کے عنوان سے نئے مدیروں کی ادارت میں نیا قالب اختیار کیا ہے، افتتاحیہ میں مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی رہنمائی کیجاتی ہے، پھر "نکات و معارف" "سیر و سوانح" "افسانہ" "عبر و بصائر" "ادبیات" اور "آئینہ جہاں نما" اس کے مستقل عنوان ہیں جنمیں مسلمانوں کو کتاب و سنت کی طرف بلایا جاتا ہے، اکابر اسلام کے سوانح لکھے جاتے ہیں، اسلامی و مشرقی تہذیب و تمدن کی خوبیاں دکھائی جاتی ہیں، اور اسلام پر مخالفین کے اعتراضوں کے جواب دیئے جاتے ہیں، امید ہے کہ یہ پرچہ مسلمانوں کی خدمت کریگا اور ان میں مقبول ہوگا،

جوہر رنگون (مشمولہ آزاد برہما) ادارہ جناب احمد زمان و جناب یعقوب گورا باوا، ۳۲ صفحے تقطیع $\frac{26\times20}{4}$ قیمت سالانہ سے پتہ جناب ابراہیم اسمٰعیل باوا۔ نمبر ۸۰ چینا اسٹریٹ رنگون

برہما کے ایک نئے ہفتہ وار آزاد برہما کا تذکرہ معارف کے اخبار و رسائل کے گذشتہ تبصرہ میں کیا گیا تھا، اب وہ دوسری شکل میں نکلا ہے، وہاں سے برہمی زبان میں "جوہر رنگون" کے نام سے ایک ہفتہ وار جاری تھا، اب یہ دونوں برہمی اور اردو زبان کے اخبار ملا دیئے گئے ہیں، اور ان دونوں زبانوں میں مشترک نکلتے ہیں، یہ ہفتہ وار ہندوستان اور برہما کی آزادی کا حامی، مسلمانان برہما کی سیاسی، اور تعلیمی خدمات انجام دینے کا خواہاں ہے، اور انہی مسائل پر اس کے مضامین ہوتے ہیں، نیز اسلامیات سے متعلق دلچسپ مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں،

نجات کراچی، (ہفتہ وار) مدیر جناب غلام محمد دریا خاں صاحب ۱۲۰ صفحے، تقطیع ۲۹×۲۲/۴ قیمت سالانہ ۵ر پتہ:۔ دفتر نجات مہاشٹر روڈ، کراچی،

یہ ہفتہ وار اخبار سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کا ترجمان ہے، اسلامی حقوق کا حامی اور بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ کا طلبگار ہے، خبریں قرینہ سے جمع کیجاتی ہیں، امید ہے کہ یہ جاری رہ کر سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کی خدمات انجام دیگا،

شباب بمبئی (ہفتہ وار) نگراں جناب حکیم محمد خانصاحب دہلوی، ۴۴ صفحے، تقطیع ۳۰×۲۰/۴ قیمت سالانہ ۳ ہر پرچہ ار پتہ:۔ دفتر شباب، کوتھاری منشن، مقابل جنرل پوسٹ آفس بمبئی،

یہ بمبئی کا ایک مصور ہفتہ وار اخبار ہے، جو آرٹ پیپر کے خوبصورت سرورق کے ساتھ نکلتا ہے، اسکا تعلق ایک یونانی دواخانہ موسوم "دہلوی دواخانہ" سے ہے، جس سے متعلق مضامین اس میں چھپتے رہتے ہیں نیز مختصر ادبی مضامین، افسانے اور نظمیں اور غزلیں چھپتی ہیں،

روزنامہ شمس، ملتان، پتہ:۔ دفتر شمس بیرون لوہاری دروازہ، ملتان شہر، ۱۲ صفحے تقطیع ۲۶×۲۰/۲، قیمت سالانہ بیرونی ۱۲ر مقامی للعہ ر

یہ ملتان کا اسلامی روزنامہ ہے، جو اسی سال سے جاری ہوا ہے، ہمیں اس کے ۱۰ ر ذی الحجہ کا پرچہ ریویو کے لئے موصول ہوا ہے جس میں عید الضحیٰ سے متعلق اچھے مضامین نظم و نثر درج ہیں، صفحہ اول پر جناب آسد ملتانی کی ایک پرجوش نظم ہے،

انیس سہسواں (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب ابن نیاز جمیل تیموری، ۸ صفحے، تقطیع ۲۶×۲۰/۴، قیمت سالانہ ۲ر پتہ:۔ محلہ دہلیز، سہسواں، ضلع بدایوں،

یہ ہفتہ وار اخبار ہے، جو گذشتہ سال الکشن کے زمانہ کی گرماگرمی میں نکلا تھا، اور ہم نے اسے وقتی اخبار سمجھ کر اخبارات کے گذشتہ تبصرہ میں اسکا ذکر ضروری نہیں سمجھا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ یہ پابندی سے مستقلاً جاری ہے، اور روہیلکھنڈ میں اسلامی سیاسیات کی آواز پہنچاتا ہے، مقالۂ افتتاحیہ میں سنجیدگی سے رائیں ظاہر کیجاتی ہیں، اور مسلمانوں کو اسلامی تہذیب و معاشرت پر قائم رہنے کی دعوت دیتا ہے، اور اسلامی سیاسی حقوق کا حامی ہے، "بہبود نسواں" کے عنوان سے ایک صفحہ عورتوں کے لئے ہوتا ہے، "اخبار اسبوعی" میں ہفتہ بھر کی خبریں جمع کیجاتی ہیں، "برید سہسواں" میں مقامی خبریں درج ہوتی ہیں، ماہ ربیع الاول میں اسکا سیرت نمبر نکلا ہے، جس میں سیرت نبوی پر خاصے مضامین نظم و نثر درج ہیں،

قومی اخبار، کانپور (ہفتہ وار) مدیر جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح و محمد احسن صاحب عثمانی ۱۴ صفحے، تقطیع ۲۹×۲۲/۴ قیمت سالانہ للعہ ر فی پرچہ ار پتہ:۔ دفتر قومی اخبار، ہمایوں باغ، کانپور،

یہ اخبار پنجاب کی جماعت احرار کا ہمنوا، اور صوبہ متحدہ میں اس کی تحریکات خصوصاً رد قادیانیت کا علمبردار ہے،

کلکتہ ویکلی (ہفتہ وار مصور) ادارہ جناب عبد الودود صاحب بی اے، و نثار علی صاحب نثار ۲۶ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸/۴، قیمت سالانہ ۳ ر فی پرچہ ار پتہ:۔ دفتر کلکتہ ویکلی نمبر ۸۸ کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ،

یہ ادبی صحیفہ ہے، جس میں مختصر تاریخی، ادبی، فلمی، اور کبھی مذہبی و اصلاحی مضامین چھپتے ہیں، اس کے مضمون نگاروں میں اکثر نوجوان صاحب قلم ہیں،

پیغام عمل، لائل پور (ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی رشید اختر صاحب ندوی، ۱۲ صفحے، تقطیع ۲۶×۲۰/۴ قیمت سالانہ للعہ ر پتہ:۔ دفتر پیغام عمل، لائل پور، (پنجاب)

یہ ماہ جولائی ۳۵ء سے جاری ہوا ہے، کونسلوں کے آیندہ انتخاب کے لئے ووٹروں کے تیار کرنے کی خدمت انجام دے رہا ہے، زمینداروں کے حقوق کا محافظ ہے، اور ہر اشاعت میں تاریخی، ادبی، اور اخلاقی مضامین بھی چھپتے ہیں،

جوہر بمبئی (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب مہر خان صاحب شہاب، ۱۸ صفحے، تقطیع ۲۶×۲۰/۴ ، قیمت سالانہ للعہ، فی پرچہ ار، پتہ:۔ دفتر جوہر بی۔ آئی ٹی، بلاک نمبر ۴۔ جے جے ہسپتال، بمبئی،

یہ مسلمانوں میں علمی زندگی پیدا کرنے کی دعوت دینے کے لئے نکلا ہے کہ وہ جدید علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں ترقی کریں، اعلیٰ قابلیت کے مقابلہ کے امتحانوں میں بیٹھیں، اور حکومت کے معزز عہدے حاصل کر کے اپنی ترقی کے ذریعے پیدا کریں،

رسالوں کے خاص نمبر رسالوں کے ۳۵ء کے سالنامے عموماً ماہ جنوری ۳۵ء میں نکلے تھے، اور جو ہمیں وقت پر موصول ہو گئے تھے، ان کا تذکرہ ماہ فروری ۳۵ء کے معارف میں کر دیا گیا تھا، پھر چند رسائل کے سالنامے ہمیں دیر میں موصول ہوئے، اور بعض کے خاص نمبر مختلف مہینوں میں نکلے، وہ درج ذیل ہیں،

سالنامہ نیرنگ خیال ۳۵ء

(مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب، حجم ۲۰۰ صفحے، قیمت ہر پرچہ عہ پتہ:- دفتر نیرنگ خیال، بارود خانہ، لاہور،

یہ سالنامہ اپنے وقت پر ماہ دسمبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہو گیا تھا، اور اپنے پچھلے سالانہ نمبروں کی طرح یہ بھی مختلف قسم کے مفید دلچسپ اور قیمتی مضامین سے لبریز ہے، سنجیدہ مضامین میں جناب عنایت اللہ صاحب، بی اے سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد کا مقالہ "عربوں کے احسانات تہذیب یورپ پر" خصوصیت سے لائق ذکر ہے، جس میں عربی تہذیب و تمدن کی مختلف شاخوں علوم و فنون، زراعت، صنعت، حرفت، تجارت اور تعمیر پر دلکش اسلوب بیان میں اختصار و جامعیت سے نظر ڈالی ہے، اسی طرح مختلف مضامین "رنجیت سنگھ" (شہنشاہ حسین رضوی ایم اے) "تذکرۂ خسرو کا ایک ورق" (مشیر احمد علوی بی اے) "مخدوم نظام الدین" (ڈپٹی امیر احمد علوی) "ہندوستان میں انگریزوں کا ابتدائی نظام اراضی" (ڈاکٹر نجم الدین احمد جعفری ڈپٹی ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو) اور "سید جالب دہلوی" (جناب شوکت تھانوی) دلچسپ اور مطالعہ کے لائق مضامین ہیں، پھر نیرنگ خیال کے جواب میں مختلف افسانہ نویسوں جناب خواجہ حسن نظامی، سلطان حیدر جوش، ڈاکٹر اعظم کریوی اور فدا حسین خنجر لکھنوی وغیرہ نے بتایا ہے کہ "میں افسانہ کیونکر لکھتا ہوں"، افسانہ اور ڈراموں میں مشہور اہل قلم قاضی عبدالغفار، پروفیسر تاثیر ایل احمد، آغا حشر کاشمیری اور حکیم احمد شجاع وغیرہ کے مضامین ہیں، شعراء میں اثر

ملتانی، حفیظ جالندھری اور اختر شیرانی وغیرہ ہیں،

سالنامہ سفیر سخن ۱۹۳۵ء

(مصور) اڈیٹر جناب ابوالکیف سرحدی، ۳۱۲ صفحے، قیمت عہ پتہ:- مہتمم مجلہ سفیر سخن، پشاور (صوبہ سرحد)

رسالہ سفیر سخن، صوبہ سرحد میں زبان اردو کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے، صوبہ سرحد میں زبان اردو کی ترویج، اور سرحدی نوجوانوں میں اردو مضمون نویسی اور انشا پردازی کا ذوق پیدا کرنا اس کا اولین مقصد ہے، ماہ جنوری ۱۹۳۵ء میں اس کا سالنامہ شائع ہوا ہے، جو مختلف علمی و ادبی مضامین اور دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے، ہم جناب ابوالکیف صاحب سرحدی کو صوبہ سرحد سے اس کامیاب سالنامہ نکالنے پر مبارکباد دیتے ہیں، خدا انکی عمر دراز فرمائے،

عالمگیر کا سالانہ نمبر ۱۹۳۵ء

(مصور) اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب حجم ۱۹۰ صفحے، قیمت عمہ پتہ:- دفتر رسالہ عالمگیر، بازار سید مٹھا، لاہور،

رسالہ عالمگیر کا سالانہ نمبر ۳۵ء ماہ جون میں شائع ہوا ہے، اکثر مضامین ادبی اور بعض تاریخ ادب اردو پر ہیں، محترمہ خضر بانو صاحبہ کے مضمون میں مولنا غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک اردو نثر کے رسالہ "بتی نامہ" کا ذکر تعجب سے دیکھا، وہ نولکشور پریس میں ۱۸۷۱ء میں ایک دوسرے رسالہ "چوہے نامہ" کے حاشیہ پر چھپا تھا، رسالہ مختصر ہے، موصوفہ نے اسے اپنے مضمون میں پورا نقل کر دیا ہے، مصنف نے آخری فقروں میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ متقدمین کے طرز پر کلیلہ دمنہ وغیرہ کی طرح لکھا گیا ہے، اور اس قصہ کا نتیجہ یہ ہے کہ "اپنے دشمن کو دشمن جانے اور جو آغاز کیجئے اس کے انجام کو سوچ لیجئے" اسی طرح سعادت یارخان رنگین کی ایک مثنوی "ایجاد رنگین" کے مخطوطہ کا تعارف میر نذر علی درد کاکوروی نے کرایا ہے، شاید یہ رنگین کی وہی مثنوی ہو جو "مثنوی دلپذیر" کے نام سے مشہور ہے، خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت نے، جو لکھنؤ کے پچھلے تہذیب و تمدن پر پُر معلومات مضامین لکھتے ہیں، اس نمبر میں لکھنؤ کے کشمیری خاندانوں کے حالات لکھے ہیں، اور انکی تہذیب کے بعض خاکے کھینچے ہیں،

ترجمہ اور طبعزاد افسانے اور مزاحیہ مضامین بھی خاصے اچھے ہیں، شعرا میں حضرت جلیل مانک پوری، حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی، دل شاہجہاں پوری اور شفق عماد پوری وغیرہ کے کلام درج ہیں،

رسالہ نیرنگستان کا خاص نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب عشرت رحمانی، ۱۵۱ صفحے، قیمت ۸ر

پتہ:- رسالہ نیرنگستان، دہلی،

رسالہ نیرنگستان، دہلی کا ادبی رسالہ ہے، اس کا خاص نمبر ماہ جنوری ۳۵ء میں نکلا تھا، مضامین سب کے سب ادبی ہیں، اور مدیر نیرنگستان کے سوال کے جواب میں مختلف شعراء وحشت کلکتوی، احسن مارہروی، کیفی دہلوی اور عشرت لکھنوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ "میں شعر کس طرح کہتا ہوں"، رسالہ میں ڈاکٹر سر اقبال اور اکبر الہ آبادی کے چند غیر مطبوعہ خطوط بھی چھاپے گئے ہیں،

تذکرۂ جمیل (یعنی رسالہ پیشوا دہلی، کا رسول نمبر) اڈیٹر مولوی سید عزیز حسن صاحب بقائی، مقام اشاعت جامع مسجد دہلی، ۱۴۴ صفحے، قیمت ۸ر

رسالہ پیشوا کا رسول نمبر تذکرۂ جمیل کے نام سے ہر سال نکلتا ہے، اور مسرت ہوتی ہے کہ وہ ہر سال سیرت پاک پر مضامین کا قیمتی ذخیرہ فراہم کرلیتا ہے، گذشتہ ماہ ربیع الاول میں بھی اس نے تذکرۂ جمیل شائع کیا ہے، جس میں ممتاز مسلمان اکابر و علماء کے مضامین ہیں، مثلاً "زندہ نبی" (مولنا شاہ سلیمان صاحب مرحوم کا ایک ذوقی مضمون) اور "حضور سرور عالم اور بزرگان ہنود" جس میں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے رسالت محمدی کی تصدیق دکھائی ہے، اسی طرح حصۂ نظم میں دلآویز نعتیہ قصیدے اور نظمیں ہیں، پچھلے نمبروں کی طرح اس میں بھی سیرت نبوی پر غیر مسلم اکابر کے مضامین اور پیغامات چھاپے گئے ہیں، ان میں گاندھی جی، ڈاکٹر بلیک ویل (امریکہ) ڈاکٹر مارکس (جرمنی) وغیرہ کے شائع شدہ مضامین اور تقریریں ہیں، ان کے علاوہ مسٹر سیتہ مورتی ام ال اے، وائس چانسلر اندھرا یونیورسٹی، مسٹر ایم اشیفن ای۔ بی ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو اور مسٹر شیام لال ام ال اے، وغیرہ کے مضامین اور پیغامات جو پیشوا کو موصول ہوئے تھے، وہ شائع کئے گئے ہیں، رسالہ میں گنبد خضرا کا رنگین

مرقع اور مقامات مقدسہ کے مناظر اور عمارات کے تقریباً چالیس بلاک فوٹو چھاپے گئے ہیں، رسالہ کی قیمت ۸ر ہے، مگر پیشوا کا سالانہ چندہ عہ ر ادا کرنے میں یہ رسالہ بھی نذر کیا جاتا ہے،

الامان سہ روزہ کا رسول نمبر، اڈیٹر مولنا مظہر الدین صاحب، ۵۶ صفحے،

قیمت ۳ر پتہ:- دفتر الامان، زینت محل، دہلی،

اخبار سہ روزہ الامان کا رسول نمبر بھی ماہ ربیع الاول میں رسالہ کی شکل میں نکلا ہے، چند مضامین موضوع سے متعلق اور چند غیر متعلق ہیں، اس کے دفتر میں بھی ہندو مشاہیر سر ہری سنگھ گوڑ ایم ال اے، بسیتہ مورتی ام ال اے، اور مسٹر نلنی رنجن سرکار بیرسٹر ایٹ لا، سابق میر کلکتہ کے پیغامات رسول نمبر کے متعلق آئے تھے، وہ شائع کئے گئے ہیں، جس میں ان لوگوں نے سیرت پاک پر جذبات و تاثرات لکھے ہیں، اسی طرح بعض اکابر کی شائع شدہ تحریریں بھی چھاپی گئی ہیں، افسوس ہے کہ ادارۂ الامان کے قلم سے ان میں سے مسز اینی بسنٹ کے ایک مضمون کی سرخی جو سیرت نبوی پر ہے، ایسی نکل گئی ہے، جو نہ صرف غیر مہذب ہے بلکہ اس سے ادنیٰ اہانت رسول کا پہلو بھی نکلتا ہے،

رسالہ ادبی دنیا کا ڈراما نمبر (مصور) اڈیٹر جناب منظور احمد صاحب، حجم ۱۳۶ صفحے،

قیمت ۱۲ر پتہ:- دفتر ادبی دنیا، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا کے جون اور جولائی کے پرچوں کا مجموعہ ڈراما نمبر کے نام سے نکلا ہے، اور سارے مضامین اسی سے متعلق ہیں، چند مضامین میں ڈراما پر علمی و تنقیدی اور تاریخی نظر ڈالی گئی ہے، مثلاً "ڈراما کے ڈھائی ہزار سال" میں یونان و ہند قدیم کے ڈراما کو روشناس کرکے اس عہد کے بعض ڈراموں کے اقتباسات نمونہ کے طور پر درج کئے ہیں، پھر یورپ میں فن تمثیل کی نشاۃ ثانیہ دکھا کر مختلف ملکوں کے ممتاز ڈراما نویسوں کے ڈراموں پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے، پھر مختلف زبانوں اور قوموں کے چند اچھے ڈراموں کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، طبعزاد ڈراموں میں آغا حشر کاشمیری، اور نسیم رضوانی ایم اے، وغیرہ کے ڈرامے دلچسپ ہیں،

ندیم کا بہار نمبر ۱۹۳۵ء، اڈیٹر جناب انجم، حجم ۵۰۰ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ/ پتہ:۔ دفتر ندیم، پنچایتی اکھاڑا، گیا،

گیا کا رسالہ ندیم صوبہ بہار میں ادبی زندگی پیدا کرنے کیلئے "بہار نمبر" کے نام سے اپنا سالنامہ نکالتا ہے، جسکے سارے مضامین بہاری ادیبوں اور شاعروں کے عموماً بہار ہی سے متعلق ہوتے ہیں، ۳۵ء کا بہار نمبر ماہ ستمبر میں شایع ہوا ہے، یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ وہ صوبہ کے قابل قدر اہل قلم کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے، رسالہ کا افتتاح حضرۃ الاستاذ مولنٰا سید سلیمان ندوی کے مقالہ "نوجوانان بہار اور خدمت ادب" سے کیا گیا ہے، جس میں صوبہ کے پچھلے دور میں ہندوستانی زبان کے زوال و عروج کے اسباب دکھا کر زبان کی ترقی دینے کیلئے چند قیمتی مشورے اور نوجوانوں کو خدمت ادب کے چند نکتے سمجھائے ہیں، جناب سید وصی احمد صاحب بلگرامی (دنیا) شاہ آبادی (موطنؔ) ڈپٹی کلکٹر کا ایک اچھوتے انداز کا مضمون "س ش ص" کے نئے عنوان سے ہے، جس میں سید سلطان مرزا (س) شاد عظیم آبادی (ش) اور صفیر بلگرامی (ص) کی کتاب زندگی کے بعض ابواب دلچسپ طرز ادا، پاکیزہ اور شاعرانہ زبان، اور لطیف انداز بیان میں روشنی میں لائے گئے ہیں، موصوف صفیر بلگرامی صاحب جلوۂ خضر کے پوتے ہیں، اس میں انھوں نے صفیر و شاد کی استاذی و شاگردی کی پرانی بحث بھی نئے مواد اور معلومات سے تازہ کی ہے، اور جو کام موصوف کے بوڑھے دادا کے ہاتھوں انجام نہ پا سکا اسے لائق پوتے نے شاد سے "استاذ من بود" لکھا کر پورا کر دیا، لیکن افسوس ہے کہ اس مضمون میں شاد مرحوم کے مردہ جسم میں کہیں کہیں چھپ چھپ کر نشتر بھی چبھوئے گئے ہیں، حالانکہ اب وہ اس کے مستحق نہ تھے، یہ مقالہ دلچسپ، پرمعلومات اور عظیم آباد کی پچھلی علمی و ادبی چہل پہل کا بھی آئینہ دار ہے، اسی طرح ایک دوسرے مضمون میں "سید غلام حسین مصنف سیر المتاخرین" کے سوانح خود اس کی کتاب سے مرتب کئے گئے ہیں، اور سیر المتاخرین پر نقد کر کے تاریخ میں اس کا پایہ دکھایا گیا ہے، اسی طرح دوسرے پرمعلومات مضامین ہیں، مثلاً پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے ایک تیموری شاعر شاہزادہ کے بہار میں قیام کرنے کے حالات اس کے دیوان سے "ایک مغل شاہزادہ بہار میں" کے عنوان سے لکھے ہیں، جو مشہور بہاری ادیب و شاعر شوق نیموی کا شاگرد تھا، مولنٰا ابوظفر ندوی نے "نشاب رائے گورنر بہار" کے اور مولنٰا حاجی معین الدین ندوی نے "خدابخش خان بانی کتب خانہ" کے

سوانح اور کارنامے لکھے ہیں، مولنٰا مناظر احسن گیلانی نے "ہماری قدیم قومی و وطنی تہذیب" میں ہند قدیم کے رسم پردہ اور بعض دینی عقائد پیش کر کے دکھایا ہے کہ پردہ کا رواج ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں ہوا، پھر "اردو نثر میں بہار کا حصہ" "منیر و بہار میں مسلمانوں کی پہلی آمد" "بہار کے معدنی وسائل" "بہار کی صحافت" "بہار کی شاعرات" وغیرہ مضامین ہیں، افسانوں میں جناب جمیل مظہری کا افسانہ "فرض کی قربانگاہ پر" پڑھنے کے لائق ہے، جس میں مراسم ازدواج کے متعلق مشرق و مغرب کے طریقوں کا فرق دکھا کر مشرق کی اخلاقی برتری دکھائی ہے، اسی طرح جناب سید ابن الحسن فکر ایم اے کا فسانہ "چینی آئینہ" بھی خاصہ ہے، مزاحیہ مضامین میں "اپ ٹو ڈیٹ شاعری" اور "ادب لطیف کے نادر نمونے" نوجوان شاعروں اور ادیبوں کے لئے خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں، حصۂ نظم میں صوبہ کے خوشگو شعراء جناب فضل حق آزاد، عرش گیاوی، شفق عمادی، ڈاکٹر عظیم، نجم گیلانی، رسا ہمدانی، رضی، بیدل، عرفان، مبارک عظیم آبادی، اصغر مجیبی، یاس بہاری، اور نسیم و نجم ندوی وغیرہ کی نظمیں اور غزلیں ہیں،

سالنامہ میں صوبہ کے مشہور ادیبوں اور شاعروں کی تصویریں، اور بہار کے آرٹسٹوں کے شاہکار بڑی تعداد میں چھاپے گئے ہیں، رسالہ کے سرورق سے بھی بہاری آرٹسٹ کا حسن ذوق نمایاں ہے، رسالہ ندیم صوبۂ بہار کے ادبی جمود کے توڑنے میں کامیاب ہو کر تیز رفتاری سے ترقی کی طرف گامزن ہے، خدا اس کی ہمت اور مساعی میں برکت دے، یہ نمبر للعہ/ سالانہ قیمت ادا کرنے والوں کو مفت دیا جائیگا،

جوہر نسواں کا سالگرہ نمبر، اڈیٹر جناب عنبریں فاطمہ، آمنہ نازلی، خدیجہ بانو، حجم ۹۰ صفحے، قیمت عہ/ چندہ سالانہ ہے/ پتہ:۔ دفتر عصمت، دہلی،

دہلی کا رسالہ عصمت، ہندوستانی زبان میں عورتوں کا بہترین رسالہ ہے، جو چوتھائی صدی سے مفید خدمات انجام دے رہا ہے، چند ماہ سے اسکے دفتر سے "جوہر نسواں" کے نام سے ایک علیحدہ ماہنامہ شایع ہوتا ہے، جسمیں عورتوں کی دستکاری پر کارآمد مضامین اور نمونے چھاپے جاتے ہیں، ماہ ستمبر میں اس کا سالگرہ نمبر شائع ہوا ہے، جو گویا "تارکشی نمبر" ہے، اس میں سارے مضامین تار نکال کر پھول پتیاں اور جالیاں بنانے پر ہیں، اور اس کے بہت سے نمونے چھاپے گئے ہیں، یہ عورتوں کا کارآمد رسالہ ہے، اور اس لائق ہے کہ ہر پڑھے لکھے گھر میں اس سے فائدہ اٹھا کر لڑکیوں کو ہنر سکھائے جائیں،

عربک کالج میگزین کا سالانہ نمبر (مصور) مدیر جناب صادق انجیری، حجم ۱۳۳ صفحے، پتہ:- عربک کالج دہلی،

دہلی کے مشہور عربک کالج سے طلبہ کا ایک ماہنامہ نکلتا ہے، اس کا سالنامہ ماہ مارچ ۳۵ء میں نکلا ہے، رسالہ انگریزی اور اردو دونوں میں نکلتا ہے، اور اس سالنامہ میں بھی دونوں زبانوں میں خاصے ادبی مضامین اور کالج کے کوائف درج ہیں،

رسالہ فطرت کے خیال نمبر و سلور جوبلی نمبر (مصور) اڈیٹر جناب مبارک رشیدی بی اے، پتہ:- دفتر فطرت، راجگیر، پٹنہ،

رسالہ فطرت کے دو خاص نمبر دو مہینوں کے پرچوں میں چند چند صفحے بڑھا کر نکالے گئے ہیں، اس کا خیال نمبر اردو کے مشہور خدمتگذار ادیب نواب نصیر حسین خانصاحب خیالؔ (جنھیں دورِ حاضر کا شمس العلماء محمد حسین آزاد کہا جاتا ہے) کی یادگار میں نکلا ہے، اور اس ادبی رسالہ کا دوسرا خاص نمبر "سلور جوبلی نمبر" کے عنوان سے نکلا ہے، جس میں ملک معظم کی شان میں قصیدہ خوانی کی گئی ہے،

سالنامہ مساوات، نگراں جناب سردار محمد اسلام خانصاحب، ۱۳۶ صفحے، قیمت ۱۱، پتہ:- دفتر مساوات، پھلواری شریف، ضلع پٹنہ،

رسالہ مساوات مسلمانوں کے نسبی تفاخر کے خلاف آواز اٹھا کر ان میں یکجہتی اور مساوات پیدا کرنے کا آرزومند ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری ۳۵ء میں پہلی مرتبہ نکلا ہے، جس میں مختلف معیار کے تاریخی و اصلاحی مضامین ہیں، مثلاً "انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا تجارتی مشن پٹنہ میں" ایک پر معلومات مضمون ہے "سوشلزم" کا مختصر تعارف جناب سید نجم الہدیٰ صاحب بی اے، گیلانی نے کرایا ہے، ان کے علاوہ اکثر مضامین رسالہ کے مقصد اجراء سے متعلق مساوات اور رواداری وغیرہ عنوانوں سے ہیں، مثلاً مولوی قاری سید شاہ جعفر میاں صاحب نے ایک مضمون میں "مساوات پر ایک نظر" ڈالی ہے، جس میں اگرچہ بعض امور محلِ نظر اور ان کے دقیق

وجدان سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم یہ ایک قابل قدر مضمون ہے، ایک دوسرے مضمون میں عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے رواداری و مساوات سے مملو واقعات دلنشین پیرایہ میں لکھے گئے ہیں، اسی طرح اکثر مضامین دلچسپ و سبق آموز اور پڑھنے کے لائق ہیں، تاہم ان گلوں میں گیاہ بھی ہے، پروفیسر حافظ شمس الدین ایم اے نے "تخریب و تعمیر" کے عنوان سے اپنی قوم کو بیداری کا وعظ سنایا ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ جوشِ تقریر میں حد سے گذر گئے ہیں، یوں تو پورا مضمون گہری عصبیت میں ڈوب کر لکھا گیا ہے، لیکن انکے یہ آخری فقرے ضوصیت سے حد درجہ غیر متین ہیں کہ "پس اے قوم! اٹھ اور ان جاہل، جھوٹے، مکار، دغاباز، سرداروں کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے سے اتار کر پھینکدے، ان شیطان صفت انسانوں کی حکومت سے اپنے کو آزاد کر، ان خود غرض، مطلبی، بددیانت، رہنماؤں کو اپنے اندر سے نکال دے، ان کی قائم کی ہوئی جماعت کو توڑ دے، ان کی قومیت کی اینٹ سے اینٹ بجا.... اور اس پرانی بوسیدہ عمارت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدے جواب کسی طرح قابل مرمت نہیں ..... جب یہ تخریب مکمل ہو جائے گی... تو..... دین و تقویٰ کے مسالے سے قومیت کی نئی دیواریں بنا"

اگر کسی عامی کی یہ تحریر ہوتی تو لائق توجہ نہ تھی، پروفیسر موصوف کا منصب اس سے بلند ہے کہ وہ جماعتی و قبائلی تعصبات و جذبات سے خود متاثر ہوں، اور دوسروں کو ابھاریں، اور ایسی غیر ذمہ دارانہ تحریریں ان کے قلم سے نکلیں، رسالہ میں آل انڈیا مومن کانفرنس گیا کے مختلف مناظر کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں،

رہبر نسواں کا سالگرہ نمبر اڈیٹر جناب فاروقی بیگم صاحبہ، ۹۶ صفحے، پتہ:- دفتر رہبر نسواں، کوچہ چیلان، دہلی،

رہبر نسواں کے مئی و جون کے پرچوں کا مجموعہ سالگرہ نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، "شذرات" کے صفحے دہلی کے زنانہ رسالوں کی صحافتی جنگ کی نذر کئے گئے ہیں، یہ جنگ زنانہ رسالوں کے لئے "مردوں" کے درمیان برپا ہے، سالگرہ نمبر کے مضامین علمی، تاریخی، ادبی اور نسوانی ہر صنف کے ہیں، مولوی فاضل عاصمہ خاتون بنت

جناب قاضی محمد اکرام صاحب سلیم پوری نے مولنا عنایت رسول صاحب عباسی مرحوم چریاکوٹی کی مشہور کتاب "البشریٰ" کے قلمی مسودہ سے، اخذ کرکے "بنائے کعبہ پر ایک تاریخی نظر" ڈالی ہے، جناب شوکت جہاں صاحبہ بھوپال نے "ہندوستان کی پہلی مسلمان تاجدار" رضیہ خاتون کے حالات لکھے ہیں، پھر اسی قسم کے تاریخی مضامین "مسلمان بادشاہ کی ہندو بن" "ٹھگوں کی بھولی ہوئی کہانی" "ملکہ چاند بی بی" وغیرہ ہیں، اسی طرح ایک مضمون میں "خواتین حیدرآباد کی حالت" کے موجودہ حالات بیان کئے گئے ہیں، حصۂ نظم میں ایک ہندو دیوی جناب روپ کماری متعلم درجہ منشی فاضل کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں والہانہ منقبت شائع ہوئی ہے، رسالہ میں عورتوں کی خاص دلچسپی کے مضامین حفظانِ صحت، الوانِ نعمت، اور کشیدہ کاری وغیرہ بھی ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ اچھی تعلیم یافتہ خواتین کے پڑھنے کے لائق ہے،

سالنامۂ کابل

ناشر انجمن ادبی، حجم زائد از ... ۵ صفحات، دفتر رسالہ کابل، کابل (افغانستان)

رسالہ کابل کا سالنامہ بڑے اہتمام سے ہرسال نکلتا ہے، چنانچہ افغانستان میں ربیع ۱۳۱۳ کے مطابق اس کا تیسرا سالنامہ ماہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے، اور یہ بھی اپنے پچھلے سالناموں کی خصوصیات کا حامل ہے، اس سالنامہ کا افتتاح بھی افغانستان کی حکومت کی سالانہ ترقیوں کو دکھانے والے مضامین سے کیا گیا ہے، پھر افغانستان کی زبانوں پر ایک مفصل مضمون ہے، جس میں علم الالسنہ پر گفتگو کرکے وہاں کے مختلف صوبوں کی مختلف زبانوں اور انکے باہمی تعلق اور فرق کو دکھایا ہے، اور ان کے لغات وقواعد کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، پھر افغانستان کے اقتصادی جغرافیہ پر ایک پر معلومات مضمون ہے، پھر افغانستان کی صنعت، حرفت وتجارت پر مضامین ہیں، اس کے بعد ۳۵-۱۹۳۴ء میں دنیا کی سیاسی اور سائنٹفک ترقیاں دکھائی گئی ہیں، اور مختلف علوم کی تاریخ اور مختلف ایجادوں اور اکتشافوں کا حال بیان کیا ہے، آخر میں یورپ کی ایک مختصر تاریخ درج ہے، پھر اس سالنامہ میں بھی افغانستان کے سینکڑوں عہدہ داروں اور قدیم و جدید عمارتوں کی تصویریں عمدہ چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہیں، نیز مختلف خوشخط وصلیوں، مختلف مدارس کے اساتذہ و طلبہ کے گروپ اور یورپ کے مختلف ملکوں کے اکابر موجدا و صناعوں کی تصویریں ہیں، اور افغانستان کے نقشے مختلف

جغرافی حیثیتوں سے شائع کئے گئے ہیں،

انجمن ادبی ان سالناموں کے ذریعہ افغانستان کے متعلق غیر معمولی ذخیرۂ معلومات ہرسال فراہم کرہی ہے، جس کے لئے وہ شکریہ کی مستحق ہے،

نیرنگ خیال کا مشرق نمبر

(مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب، ۱۷۶ صفحے

قیمت: ۱۲/ پتہ: دفتر نیرنگ خیال، شاہی محلہ لاہور،

رسالہ نیرنگ خیال کے جون اور جولائی کا مشترک پرچہ مشرق نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، جس کے تقریباً تمام مضامین سرزمین مشرق سے متعلق ہیں، بعض مضامین پر معلومات اور خاصے دلچسپ ہیں، مثلاً "مشرق کے تاجدار" (جناب خواجہ حسن نظامی صاحب) "مشرق کی الہامی کتابیں" (جناب سالک رام ایم اے) "طلب مشرق پر ایک تاریخی نظر" (جناب کیپٹن نصیر الدین احمد صاحب) "مشرق اور ڈراما" "نینوا" اور "مشرق بعید کا صنعتی ارتقاء" وغیرہ،

ہمایوں کا فرانسیسی ادب نمبر

ادارہ جناب بشیر احمد بی اے (اکسن) وحامد علی خان صاحب بی اے، حجم ۱۲۲ صفحے، قیمت ۱۰/ پتہ: دفتر ہمایوں نمبر ۲۳، لارنس روڈ لاہور

لاہور کے سنجیدہ ادبی رسالہ ہمایوں کے ماہ ستمبر کا پرچہ فرانسیسی ادب نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں تمام مضامین فرانسیسی ادب سے متعلق ہیں، جنہیں اس کی سرسری تاریخ، اس کے مختلف مشہور شعراء اور انشا پردازوں کے سوانح اور ان کے ادبی خدمات دکھائے گئے ہیں، پھر مختلف شعراء اور افسانہ نگاروں کے کلام اور افسانوں کے ترجمے شائع کئے گئے ہیں، اور ان مشاہیر کی تصویریں بھی چھاپی گئی ہیں اس سے پہلے اس رسالہ کا "روسی ادب نمبر" بھی اسی طرز پر نکل چکا ہے، رسائل کے خاص نمبر اگر اسی قسم کے موضوعوں پر اسی طرز سے شائع ہوں تو ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام پائے،

"ض"

مطبوعات جدیدہ

منتخب افسانے، از مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی، حجم ۴۰۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عمر

پتہ:- ہندبک ایجنسی نمبر ۲ لے چتر نجن ایونیو، کلکتہ،

یہ مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی کے لکھے ہوئے منتخب افسانوں کا مجموعہ ہے، جس میں مختلف ملکوں کے افسانہ نگاروں کے ۲۰ افسانے درج ہیں، انھوں نے اپنے دیباچہ میں افسانوں کے ترجمہ کا یہ معقول طریقہ لکھا ہے کہ وہ پہلے افسانہ نگاری کی اسپرٹ سمجھتے ہیں، پھر اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اس طرح افسانوں کی روح کھنچکر اردو میں منتقل ہو جاتی ہے، اس مجموعہ کے افسانے اسی طرز پر لکھے گئے ہیں، جو تقریباً سب پڑھنے اور پڑھنے کے لائق ہیں، مترجم نے اپنے دیباچہ میں ایک دوسری بحث بھی چھیڑی ہے کہ اردو زبان ابھی درمیانی دور میں ہے جسے ترجمہ کا دور کہا جاتا ہے، تعجب ہے کہ موصوف نے یہ حقیقت فراموش کر دی کہ کسی قوم کے ادب کی بنیادی اسی قوم کے افراد کے افکار سے ہو سکتی ہے، غیر ملکی ادبیات اردو زبان کی ترقی میں معاون ہو سکتے ہیں، مگر انہیں مدار نہیں بنایا جا سکتا، بلاشبہہ ہر زبان کے کلاسیکل لٹریچر کا ترجمہ ہونا ضروری ہے، لیکن غیر زبان ہی کے رطب ویابس کے سہارے پر اپنی زبان کی زندگی قائم رکھنی دشوار ہے، ہماری مذہبی قومی، ملکی تمدنی اور اخلاقی ضرورتیں خود اپنی کتابیں لکھ کر پوری ہو سکتی ہیں،

الکاویہ علی الغاویہ، (حصہ دوم) از مولوی محمد عالم صاحب آسی حجم ۵۰۶ صفحے، قیمت:- للعہ

پتہ:- حاجی محمد اسحق صاحب تاجر کتب، ہال بازار امرتسر،

یہ ضخیم کتاب دو حصوں میں تیرہویں، چودہویں صدی کے متنبیوں کے دعاوی و مذاہب کی تردید میں محض معمولی قیمت پر لکھکر شائع کی گئی ہے، اس کتاب کے پہلے حصہ کا تعارف گذشتہ سال ان صفحات میں کرایا گیا تھا

اس حصہ میں بہائی اور قادیانی ادیان، اور ان دونوں کے متبعین میں جو جو مدعیان نبوت پیدا ہوئے، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور ان کے دعاوی کی پر زور تردید مستحکم دلائل سے کیگئی ہے،

صلائے عمل، از جناب میر ولایت علی صاحب، مکان نمبر ۱۳۲، اعظم پورہ، حیدرآباد دکن، حجم ۳۲ صفحے، قیمت:- ۲ر

اس رسالہ میں مصنف نے اخلاص کے ساتھ ایمان، اسلام، توحید، کفر، اور نفاق وغیرہ کے مطالب سمجھا کر مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی دعوت دی ہے،

اسلام اور گداگری، از جناب عبدالمجید خاں صاحب بوہیرے، مظفری کتبخانہ بھنڈی بازار، گلاب بلڈنگ بمبئی نمبر ۹، ۳۲ صفحے، قیمت:- ۲ر

یہ گجراتی زبان کے ایک رسالہ کا اردو ترجمہ ہے جسمیں دکھایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جس قسم کی گداگری رائج ہے، اسلام میں اسکی اجازت نہیں، پھر اسلامی تعلیمات کے رو سے مستحق و غیر مستحق گداگروں کا فرق بتا کر مسلمانوں سے استدعا کیگئی ہے، کہ مسلمانوں کی عام اخلاقی حالت سدھارنے کیلئے گداگر پیشہ لوگوں پر پابندی عائد کریں،

میرا پہلا سفر حج، از جناب مرزا عبدالحلیم بیگ صاحب، اکو ملہ عالیجاہ، حیدرآباد، دکن، ۸۰ صفحے۔

یہ مصنف کے سفر حج کا مختصر سفرنامہ ہے، جسمیں روداد سفر کے علاوہ سفر حج کے تجربوں کی بنا پر دوسرے حج کرنے والوں کو مفید مشورے بھی دیئے گئے ہیں،

رسول جہاں، رفیق حج، رفیق نکاح، از مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے، ناظم انجمن رفیق الاسلام گوڑ گانوہ، حجم ۱۵۸، ۱۱۲، ۱۲۰، صفحے، تقطیع جیبی،

انجمن رفیق الاسلام، افادۂ عام کے لئے چھوٹے چھوٹے مفید رسالے چھاپ کر مفت تقسیم کرتی ہے، یہ تینوں رسالے آگے پیچھے اس نے شائع کئے ہیں، "رسول جہاں" میں سیرۃ نبوی کا مختصر بیان ہے، اور مؤخر الذکر دونوں رسالوں میں حج اور نکاح کے عام مسائل و مصالح مکالمہ کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں، ڈاک کے محصول کیلئے ۲ر کے ٹکٹ بھیجکر تینوں رسالے طلب کریں،

ایمان اکبر، از مولوی حکیم سید علی اکبر صاحب دولت پوری، ناشر منشی عبدالرزاق خانصاحب نظامی، ایجنٹ اخبارات، پوسٹ بکس نمبر ۳۳، مکان نمبر ۱۷۲، بازار اسٹریٹ، حجم ۱۶ صفحے، قیمت ۲ ر

اس رسالہ میں اسلام کے عقائد مختصراً بیان کئے گئے ہیں،

انساب و قبائل کا باہمی امتیاز و تفاضل، از مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، (سہارنپوری) ۳۶ صفحے، قیمت ۳ ر

اس رسالہ میں آیت مساوات کی تفسیر کرکے دکھایا ہے کہ انساب و قبائل کا باہمی امتیاز و تفاضل صحیح ہے، لیکن یہ فخر و غرور نارو ا ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ مساوات اسلامی اور امتیاز انساب کا باہمی تعلق اور ان کا فرق سمجھایا ہے،

ہجوم غم، از جناب حجاب، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۳ ر، پتہ: منیجر صاحب برق، جونپور،

یہ محترمہ حجاب بنت سید حسن صاحب حسن بلگرامی پنشنر جج حیدرآباد دکن، کے لکھے ہوئے چند مراثی کا مجموعہ ہے،

الحواشی العثمانیہ علی شرح الرحبیہ (عربی) از مولانا محمد عبدالعزیز صاحب، عسکر، بنگلور، حجم ۱۰ صفحے، قیمت

شرح رحبیہ محمد بن محمد سبط ماردینی، علم فرائض کی متداول کتاب ہے، مولانا محمد عبدالعزیز بنگلوری نے الحواشی العثمانیہ کے نام سے اس پر تعلیقات لکھے ہیں، جو گویا شرح رحبیہ کی شرح ہے، عربی خوان طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

قاعدہ عربی جدیدہ، از مولوی محمد نعیم صاحب، ناشر منیجر کتب خانہ سلسلہ تعلیم القرآن، لودھیانہ، پنجاب، ۲۲ صفحے، قیمت ۱ر

یہ قرآن مجید پڑھانے کے لئے نئے طرز کا عربی قاعدہ ہے، ہر سبق کے ساتھ معلم کے لئے ہدایات درج ہیں،

تعلیمی تفریح، از جناب مرزا سرفراز علی صاحب متعلم بی اے، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، ۷۴ صفحے،

یونیورسٹیوں کے طلبہ تعلیمی تجربے حاصل کرنے کیلئے مختلف مقامات پر جماعت بنا کر بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی ایک جماعت دسمبر ۱۹۳۳ء میں شمالی ہند کی سیر کیلئے بھیجی گئی تھی اس رسالہ میں اسی سفر کے حالات اور لاہور سے کلکتہ تک کے مختلف بڑے شہروں کے تاریخی مناظر اور تاثرات قلمبند کئے گئے ہیں، رسالہ کا مطالعہ طلبہ کے لئے دلچسپ اور سبق آموز ہوگا، "ر"

جلد ۳۶ | ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۵ء | عدد ۵

مضامین